خواتین اور دوشیزاؤں کا پہلا ماہنامہ

خواتین ڈائجسٹ

فروری ۱۹۹۹ء

اِس ماہ کی خاص پیش کش

عمیرہ احمد کا مکمل ناول

میری ذات ذرّہ بے نشاں

Scanned with CamScanner

شازیہ چوہدری

دو پل کے مہمان

"اماں جی! ایک مرتبہ پھر سوچ لیں۔ میری درخواست پر غور کریں۔"

"بہت کر چکے۔" اماں نے بیزاری سے ہاتھ ہلایا۔

"آخر کس چیز کی کمی ہے الفت میں۔ خوش شکل ہے، سگھڑ ہے، سلیقہ مند اور فرمانبردار ہے اور کیا چاہیے تمہیں۔" اماں کی توجیہہ پر شایان سلگ اٹھا۔

"میں آپ سے ہزار بار کہہ چکا ہوں کہ وہ مجھے پسند نہیں ہے۔ میرا دل نہیں مانتا۔" وہ زچ ہو گیا۔

"مگر کیوں پسند نہیں ہے؟" اماں نے جھلا کر پوچھا۔

"ناپسندیدگی کی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔ بس وہ میری طبیعت سے میل نہیں کھاتی۔ ہم دونوں کی سوچ، اور مزاج ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہیں۔"

"ساتھ رہنے سے خود بخود مزاج مل جاتے ہیں۔ میاں بیوی کا رشتہ ہی ایسا ہوتا ہے صدیوں کے اجنبی، دو بولوں کے بندھن سے ایک دوسرے کے ہو جاتے ہیں۔" اماں نے لاپروائی سے کہا۔

"ایسا ہمیشہ نہیں ہوتا۔" شایان خفگی سے جوتے کی ٹو سے زمین کریدنے لگا۔

"آپ اپنے تجربات کی روشنی میں میری زندگی کو داؤ پر نہ لگائیں۔ بس میں نے کہہ دیا ہے۔ میں الفت سے شادی نہیں کر سکتا۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"تو پھر کس سے کرنا چاہتے ہو؟" انہوں نے کمر پر ہاتھ رکھ کر کڑے تیوروں سے اسے گھورا۔ "کس سے وعدے وعید کر رکھے ہیں۔" شک کے ناگ پھن پھن کرنے لگے تھے۔ سنا ہے لڑکیاں بھی تیری شاگرد

Scanned with CamScanner

ہیں؟"

وہ جھنجھلا کر اپنے سر کے بال نوچنے لگا۔

"اماں! آپ بھی حد کرتی ہیں۔ میں یونیورسٹی پڑھانے جاتا ہوں، استاد ہوں ان کا، کیا میں لڑکیاں تاکنے جاؤں گا وہاں؟"

"تو پھر یہ "اڑکا" کیوں کر رہے ہو۔" اماں اس کے جھلائے ہوئے ناراض انداز پر قدرے مطمئن سی ہو گئیں۔

"کیا مطلب ہے کیوں کر رہا ہوں۔ گھنٹے بھر سے یہی تو سمجھا رہا ہوں کہ ہم دونوں کے مزاج اور طبیعت نہیں ملتی۔"

شایان کا لہجہ تیز ہو گیا۔

"مت ماری گئی ہے لڑکے تیری۔ دو لفظ کیا پڑھ گئے ماں کو باؤلا بنانے کی اسکیمیں شروع کر دی ہیں۔ میں بھی تو یہی سمجھا رہی ہوں کہ الفت کا مزاج بہت ٹھنڈا اور مہربان ہے۔ طبیعت کی میٹھی ہے۔ بس تیرا دماغ چل گیا ہے۔"

"جب میرا دل راضی نہیں ہے اس کے لیے تو

ناولٹ

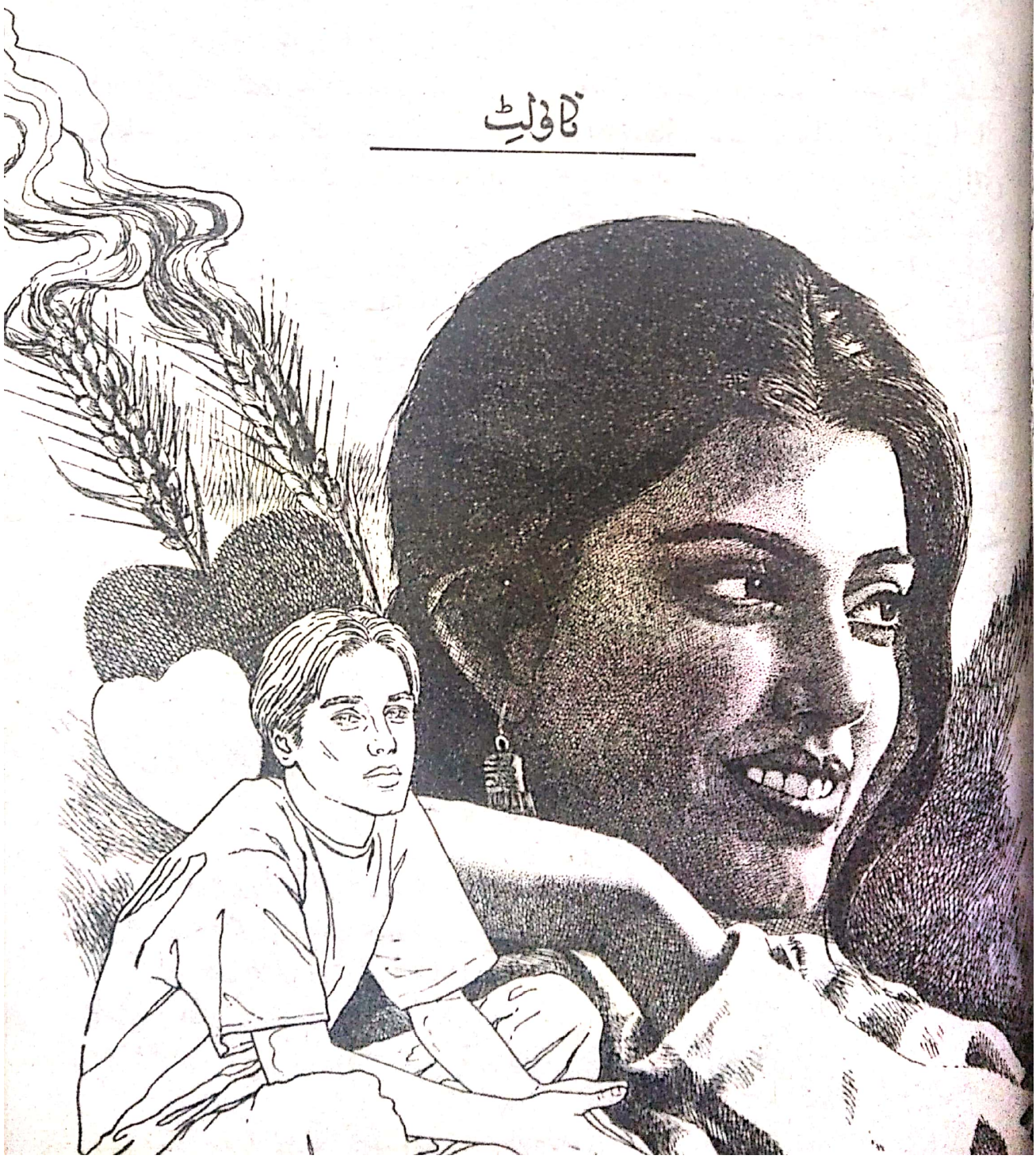

کیسے ہاں کر دوں۔" کیا میری مرضی آپ کے نزدیک کچھ اہمیت نہیں رکھتی؟"

"دیکھ' الفت میری اکلوتی بہن کی بیٹی ہے۔ اسے بہو بنا کر ہمیشہ کے لیے بہن سے رشتہ اور رابطہ پکا ہو جائے گا۔ میں اپنی بہن کو نہیں چھوڑنا چاہتی۔" اماں کا لہجہ حتمی رنگ لیے تھا۔

"اور اپنے رشتے پکے کرانے کے لیے آپ میرا کونڈا کروا رہی ہیں۔ کیا میں ڈھور ڈنگر ہوں؟ کوئی جانور ہوں جسے ایک کھونٹے سے باندھ کر اپنے فرض سے فارغ ہونا چاہتی ہیں؟" وہ بگڑنے لگا۔

"تمہیں کون سی خوبیاں درکار ہیں؟ کیا چاہتے ہو اپنی بیوی میں' چلو مجھے بتاؤ۔ الفت خود ہی ساری باتیں سیکھ جائے گی۔ میں اسے سمجھا دوں گی۔"

اسے چراغ پا دیکھ کر اماں قدرے نرم پڑ گئیں اور پینترا بدل کر سوال کیا۔

"کیسی باتیں کرتی ہیں اماں۔" وہ بری طرح جھنجھلا گیا "بھلا کسی کے کہنے سے بندہ اپنی فطرت کے دائرے سے باہر نکل سکتا ہے؟ ٹھیک ہے مزاج بدلا جا سکتا ہے' خیالات تبدیل کیے جا سکتے ہیں' حتیٰ کہ عادات پر بھی قابو پایا جا سکتا ہے مگر فطرت ایک ایسی چیز ہے جسے کسی تدبیر سے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ انسان اپنے اصل سے فرار حاصل نہیں کر سکتا۔ مجھے اپنی فطرت کی سی لڑکی درکار ہے جو مجھے سمجھ سکے۔ میرے ساتھ چل سکے۔ برابری اور ہم آہنگی کے ساتھ۔"

"اے میرے بچے' کتنا بھولا ہے تو۔ پگلے میاں بیوی میں خود بخود ہم آہنگی اور قربت پیدا ہو جاتی ہے' شادی چیز ہی ایسی ہے۔" انہوں نے پیار سے اس کے بال سلجھائے۔

"افوہ۔" وہ جھنجھلا کر اٹھ بیٹھا اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کن الفاظ میں اپنا مدعا ماں تک پہنچائے۔ بیوی کو جسم اور روح دونوں کی سیرابی کا ضامن ہونا چاہیے۔ مگر یہی اہم ترین نکتہ ہمارے یہاں شادی بیاہ کے معاملات میں فراموش کر دیا جاتا ہے۔ پس پردہ بزرگوں کی یہ سوچ کارفرما ہوتی ہے کہ جب ظاہری لحاظ سے قریب آ جائیں گے تو خود بخود باطنی قربتیں بھی جنم لینے لگیں گی۔

اماں یہی سوچ کر مطمئن تھیں۔

"اماں! کیا آپ کی الفت بیگم میری روح اور میرے ذہن کی پیاس بجھا سکتی ہیں؟ میاں بیوی کو زندگی کے ہر ہر پہلو سے ایک دوسرے سے مربوط اور ہم آہنگ ہونا چاہیے۔ میں لطیف اور اعلیٰ ذوق کا مالک ہوں۔ زندگی کو پریکٹیکل انداز میں دیکھنے کا قائل ہوں۔ میری ہمیشہ سے یہی خواہش رہی ہے کہ میری بیوی کی ذہنی اپروچ اور اس کا شعور پختہ ہو' اس کا ذہنی کینوس وسیع ہو' وہ مجھ سے ملنے والوں کے متعلق چغلیاں کھانے اور لگائی بجھائی کرنے کے بجائے نظریات' انسانی نفسیات پر بات کرے جس سے ہم دونوں کی ذہنی الجھنیں حل ہو جائیں اور روح سکون پائے۔ آپ کی الفت بیگم میں اگلی دو دہائیوں میں بھی ایسے آثار نمودار ہونا ناممکن ہیں۔ وہ چھوٹے ذہن کی سطحی سی لڑکی ہے جسے گھریلو سیاست کے بھلے سے سارے گر آتے ہوں مگر ذہن و دل کی گتھیاں سلجھانے کی الف سے ب بھی معلوم نہیں۔ خدا کے لیے میرے ساتھ ساتھ اس پر بھی ظلم نہ کریں۔ اسے اس کے مزاج کے شوخ و شنگ اور گھریلو سیاست میں ماہر بندے سے بیاہ دیں۔ وہ بھی خوش رہے گی اور میری زندگی بھی تباہ ہونے سے بچ جائے گی۔"

اماں کے چہرے پر زلزلے کے سے آثار ہویدا تھے۔

"بس کر شان! بس کر' بہت سن لی تیری۔ مجھے پتا ہے کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا۔ اس گھر میں ہمیشہ میری چلی ہے۔ تیرے بڑے بھائی سلمان اور دونوں بہنوں کی شادیاں میں نے ہی طے کی تھیں۔ بتا کیا وہ سب اپنے گھروں میں خوش نہیں ہیں؟ کیا تیری ناعمہ بھابی میں کوئی کمی ہے؟ کیا وہ سلمان کو اور اپنے سسرال والوں کو خوش نہیں رکھتی؟"

وہ طیش میں آ گئی تھیں شایان ان کے قدموں میں

Scanned with CamScanner

بیٹھ گیا۔

"ٹھیک ہے ایسا ہی ہے مگر میری بات کی اہمیت اپنی جگہ ہے ماں دیکھیں زندگی تو میں نے گزارنی ہے۔ میں کیسے دخل نہ دوں اس معاملے میں آپ کا یہ فیصلہ دو زندگیوں کو داؤ پر لگا دے گا۔"

"وہ میری بہن کی بیٹی ہے اور مجھے بڑا ارمان ہے اسے اپنے گھر لانے کا۔ مان جا میرے بچے۔"

"اماں!" وہ بے بس سا ہو گیا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیسے انہیں سمجھائے۔

"میری بات کو سمجھنے کی کوشش کریں اماں! جب آپ کی بہن کی بیٹی اس گھر میں خوش نہیں رہے گی تو سوچیں خالہ کو کتنا صدمہ ہو گا۔"

"وہ کیوں خوش نہ رہے گی بھلا۔ بڑی صابر اور سیدھی سادی بچی ہے۔ جیسا کھلاؤ پہناؤ گے صبر شکر سے قبول کر لے گی کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں لائے گی۔"

"بہر حال میں یہ شادی نہیں کر سکتا۔"

"کم از کم میری زندگی میں ایسا نہیں ہو سکتا۔" اماں نے بھی جوابی گولے برسائے تھے۔

وہ بکتا جھکتا دھم دھم کرتا گھر سے باہر نکل گیا تھا۔

@ @ @ @

شام تک وہ اس چھوٹے سے قصبہ نما شہر کی سڑکوں کی خاک چھانتا رہا۔ جی نہیں چاہ رہا تھا گھر جانے کو مگر لوٹنا تو تھا۔

مغرب کی اذان ہونے میں کچھ دیر باقی تھی۔ جب وہ گھر میں داخل ہوا۔

صحن میں عطیہ کے ساتھ نیا بیٹی باتیں بگھار رہی تھی۔ اسے آتے دیکھ کر نیا کے چمکتے ہوئے شگفتہ و شاداب چہرے پر شناسائی کی مسکراتی کرنیں بکھر گئی تھیں۔

"السلام علیکم شایان بھائی! کیسے ہیں آپ؟"

"وعلیکم السلام۔" وہ ہلکے سے مسکرایا اور چارپائی کے پاس دھرے موڑھے پر بیٹھ گیا۔ اس کا پورا جسم تھکن سے چور چور تھا۔

"میں تو ٹھیک ہوں۔ تم اپنی کہو کہاں غائب ہو بھئی۔ ایک مدت گزری تمہیں دیکھا تھا۔ غالباً" پچھلی بقر عید پر' اس کے بعد سے یوں غائب ہوئیں جیسے کبھی یہاں تھی ہی نہیں۔"

"بس کیا بتاؤں شایان بھائی! میڈیکل کی پڑھائی نے مت مار دی ہے میری۔"

وہ شگفتگی سے ہنس دی۔ اس کی ہنسی میں بڑی تازگی اور نغمگی جھلکتی تھی۔

نیا ان کے پڑوس میں رہتی تھی۔ بارہ سال پہلے یہ لوگ اس محلے میں آئے تھے۔ تب سے دونوں گھرانوں میں ایسی دوستی اور اپنائیت قائم ہوئی کہ سگوں کو مات کرتی تھی۔ بزرگوں اور بچوں ہر دو سطح پر دونوں خاندانوں کا ایک دوسرے سے رابطہ و رشتہ قائم ہو چکا تھا۔ اماں جو راز اپنے کسی لگے سگے کو نہیں بتاتیں وہ بھی نیا کی امی خالدہ بیگم کے گوش گزار ضرور کرتی تھیں۔ ہر طرح کی راز داری اور تعلق خاطر تھا۔ کھانے پینے کا معاملہ تو یہ تھا کہ بچوں نے ایک وقت کا اپنے گھر سے کھایا ہے تو دوسرے ٹائم کا کھانے کے لیے دیوار پھاند کر پڑوس میں جا گھسے۔

اماں اپنے گھر سے زیادہ خالدہ خالہ کے گھر پائی جاتی تھیں اور یہی حال خالدہ خالہ کا بھی تھا۔

"تمہارا یہ آخری سال ہے ناں ایم بی بی ایس کا؟" شایان نے جوتے اتار کر ٹانگیں پھیلاتے ہوئے کھاٹ پر پاؤں رکھ دیے۔

"ہاں بھئی خیر سے آپ کی دعا سے اگلے سال تک ہم ڈاکٹر بن جائیں گے۔"

نیا میڈیکل کی اسٹوڈنٹ تھی اور لاہور میں فاطمہ جناح کالج کے ہوسٹل میں مقیم تھی۔ اب تو پانچ سال ہونے کو آئے تھے۔ یہاں تو کبھی کبھار چھٹیوں میں ہی آتی تھی۔

"ابھی ہاؤس جاب بھی تو رہتا ہے ناں؟" عطیہ نے اسے یاد کرایا۔ عطیہ نیا کی ہم عمر تھی مگر اس نے بی اے کر کے پڑھائی چھوڑ دی تھی۔ آج کل اپنے جہیز کا سامان جمع کر رہی تھی اس کے سسرال والے آئے دن

Scanned with CamScanner

شادی کی تاریخ مانگنے کے لیے آجاتے تھے۔

"ہاں بھئی یہ مرحلہ بھی باقی ہے۔"

"افوہ اس طرح تو ڈیڑھ دو سال مزید لگیں گے۔ تمہیں ڈاکٹر بننے کے لیے۔" عطیہ کو جھنجلاہٹ ہوئی۔

"تو لگنے دو۔ ارے بھئی یہی تو عمر ہوتی ہے کچھ کرنے کی' اپنا کیریئر بنانے کی۔" وہ بے فکری سے بولی۔

"ہر کوئی تمہارے جیسا نہیں ہوتا میڈم باؤلی۔" شایان نے بہن کو چھیڑا جس کی سوچ' شادی' شوہر' سسرال اور بچوں سے آگے نہیں جاتی تھی۔

"یہی حقیقت بھی ہے۔ آپ کو کیا پتا۔" عطیہ نے اطمینان سے کہا۔

"بے شک یہ ایک حقیقت ہے مگر زندگی صرف شادی کے مقاصد کے لیے نہیں عطا کی گئی۔ یہ سب کچھ تو فطری اصول و ضوابط کے ساتھ ہوتا ہی رہتا ہے۔ شادی ہوتی ہے' نسل بڑھتی ہے' پھر کھانے' کھلانے اور رہنے اور رکھنے کے مسائل جنم لیتے ہیں۔ یہ سب فطری امور ہیں۔ ان میں خوامخواہ انرجی ضائع کرنے سے کیا حاصل۔ یہ سب کچھ تو بغیر کسی اضافی محنت اور پلاننگ کے ہوتا ہی ہے۔ لیکن اس سارے پراسس کو مقصد حیات کا نام دینا سراسر خود فریبی ہے۔ انسان کو کھانے پینے اور موج میلہ کے لیے نہیں تخلیق کیا گیا۔ فطری امور کے ساتھ اور بھی بہت سے مثبت اور اعلا اغراض و مقاصد ہیں جن کے لیے خدا نے یہ کائنات بنائی ہے۔"

شایان ایک تسلسل سے محو کلام تھا۔

"آپ صحیح کہہ رہے ہیں شایان بھائی اپنی خود غرضانہ روش اور خود پسندی کے باعث ہمیں صرف اپنے سامنے کے مسائل نظر آتے ہیں۔ ہم اپنی راہ کے کانٹوں کو صاف کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ دوسروں کا احساس' ان کے مسائل سے آگہی اور ان سے ہمدردی و رواداری کے جذبات ہمیں چھو کر بھی نہیں گزرتے۔"

نیا نے شایان کی تائید کی۔

"میرا گھر' میرا شریک حیات اور میرے بچے۔ بس ہر شخص نے خود کو اسی تکون میں فٹ کر لیا ہے۔ یہی خود غرضانہ سوچ ہمارے معاشرے کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے اور اقدار و روایات کی جڑیں کھوکھلی کر رہی ہے۔"

"بس بھئی بس۔ مجھ سے اتنا مشکل فلسفہ ہضم نہیں ہوتا۔ میں تو چلی ہانڈی چڑھانے۔ تم دونوں بھلے سے سینگ پھنساؤ۔"

عطیہ بیزار سی ہو کر باورچی خانے میں چلی گئی تھی۔

"اماں بہت پریشان ہیں آپ کے لیے شایان بھائی۔"

نیا نے شایان کی طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بات شروع کی۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو اماں نیا کے سامنے اپنا دکھڑا رو کے گئی تھیں۔

"کس سلسلے میں؟" اس نے تساہل سے آنکھیں کھولیں۔

"یہی آپ کی شادی کے بارے میں۔" نیا کو اس کی بچپن کی منگنی کی تفصیلات معلوم تھیں اور اس کے خیالات سے بھی اچھی طرح واقف تھی۔ مگر اماں جی کا دل رکھنے کو وہ یہ موضوع چھیڑ بیٹھی تھی۔ اماں نے کہا تھا۔

"اے بیٹی تو ہی کچھ اس کو سمجھا' کچھ کہہ دیکھ۔ شاید تیری ہی مان جائے۔ تیری تو بہت سنتا ہے اور تجھے عقلمند اور ذہین بھی سمجھتا ہے۔ میری تو مت مار دی ہے اس لڑکے نے۔"

"یار! تم بھی نمک چھڑکنے والوں میں شامل ہو گئیں۔" شایان نے افسوس کا اظہار کیا۔

"یہ بات نہیں ہے شایان بھائی! میں آپ کے محسوسات کو سمجھ سکتی ہوں۔ آپ جو اتنے مجبور اتنے پریکٹیکل اور سنجیدہ خیالات کے مالک ہیں۔ یقیناً" اپنی موجودہ اور "آئندہ" کی صورت حال کا بہتر طریقے سے تجزیہ کر سکتے ہیں۔ آپ نے آخر کچھ سوچ

Scanned with CamScanner

کر ہی انکار کیا ہو گا۔ مگر خالہ اماں بھی اپنی جگہ مجبور ہیں۔ وہ بہن کو زبان دے چکی ہیں اور اب سے نہیں نجانے کتنے سالوں سے۔" نیا رسانیت سے اسے سمجھا رہی تھی۔

"مگر اس میں میرا کیا قصور ہے؟" شایان نے بلا تامل پوچھا۔ کیا میری مرضی، میری پسند، میری اجازت کی کوئی اہمیت نہیں؟ یہ فرسودہ روایات کب بدلیں گی؟ کب لوگوں کو ہوش آئے گا کہ جن دو مظلوموں کو بھیڑ بکری کی طرح ہانک کے ایک کھونٹے میں باندھ رہے ہیں۔ ان سے کبھی غلطی سے پوچھ لیں کہ اس خود کشی کے لیے راضی ہیں یا نہیں۔ میں سوچتا ہوں جس معاشرے میں مرد شادی کے معاملے میں اتنا پریشرائزڈ رہتا ہے۔ وہاں عورت کی خواہش اور مرضی کے مطابق فیصلہ کرنے کی کارروائی تو جانے کتنی صدیوں بعد عمل میں آئے گی۔"

"آپ سمجھوتا کر لیجیے شایان بھائی۔"

"یہ لفظ مجھے کبھی اچھا نہیں لگا۔ اس سے بے بسی اور مجبوری ٹپکتی ہے۔ سمجھوتا بھی مثبت طریقے سے کیا جائے تو بات بنتی نظر آتی ہے اگر منفی طریقے سے سمجھوتا طے پائے تو وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا نہ کوئی زیادہ دیر تک نباہا جاتا ہے۔"

"اب سمجھوتے بھی مثبت اور منفی ہونے لگے؟" نیا شوخی سے مسکرائی۔ "ذرا وضاحت تو کیجیے۔"

"مثبت سمجھوتا وہ ہوتا ہے جو صورت حال میں بہتری کی امید کو مد نظر رکھتے ہوئے پوری آمادگی اور خوش دلی سے کیا جائے اور منفی سمجھوتا وہ ہے جو جبرا" کسی خوف، یا اندیشے کے تحت کیا جائے۔"

"آپ کے ساتھ گفتگو میں بہت مزہ آتا ہے۔ ذہن کے سارے بند دریچے کھول دیتے ہیں۔" نیا سادگی سے مسکرائی۔

"کچھ یہی خیال میرا تمہارے بارے میں بھی ہے۔" وہ ہلکا سا متبسم ہوا۔

"آپ کی یونیورسٹی کیسی چل رہی ہے؟"

بہنوں کے لیے خوشخبری

سچّی داستانیں

خواتین ڈائجسٹ بہنوں کے لیے اپنی نوعیت کا ایک منفرد پرچا تھا، اس کے بعد اس ادارے سے بہنوں کے لیے 'کرن' اور شعاع کا اجرا ہوا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ان پرچوں کا شمار بہنوں کے مقبول ترین پرچوں میں ہوتا ہے،

اب

ادارہ خواتین ڈائجسٹ سے

ایک نئے انداز کے جریدے

سچّی داستانیں

کا اجراء کیا جا رہا ہے،

حقیقت افسانے سے زیادہ دلچسپ ہوتی ہے، آپ کی نظر سے بہت سی ایسی حقیقتیں گزری ہوں گی، انہیں اپنے الفاظ میں لکھ کر بھجوا دیں، ہم نوک پلک سنوار کر شائع کر دیں گے۔

تین بہترین کہانیوں پر انعامات دیے جائیں گے

بھجوانے کا پتا

محمود خاور — ایڈیٹر سچّی داستانیں

37، اردو بازار

کراچی 74200

"یونیورسٹی نے چل کے کہاں جانا ہے۔ جہاں تھی وہیں ایستادہ ہے آخری خبریں آنے تک۔ بس بندوں کا چل چلاؤ کرائی رہتی ہے۔"

"اچھا۔" وہ شایان کے شریر لب و لہجے پر ہنس پڑی۔

"آپ کب جا رہے ہیں واپس ملتان۔؟"

شایان زکریا یونیورسٹی میں پڑھاتا تھا۔ وہیں ٹیچرز ہوسٹل میں قیام تھا۔ چھٹیوں میں ہی یہاں آنا ہوتا تھا۔

"یکم جنوری کو روانگی ہے خیر سے دو دن بعد۔"

"نیا سال کتنی جلدی شروع ہو گیا ہے۔ پتا بھی نہیں چلا۔" نیا نے حیرانی کا اظہار کیا۔

"واقعی یونہی دن مہینوں میں اور مہینے سالوں میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ وقت کا چکر تو اپنے معمول کے سے انداز میں رواں دواں ہے اس کی عجلت یا سست روی کا تعلق ہمارے احساسات سے ہوتا ہے۔ اچھا وقت جلدی بیت جاتا ہے اور بری گھڑیاں گزرتے صدیاں لگ جاتی ہیں۔"

شایان نے ایک گہری سانس لی۔

"اس کا مطلب ہے جو لوگ خوشگوار مصروفیات اور من پسند مشاغل کے ہمراہ وقت گزارتے ہیں ان کے دن مہینے اور سال جلدی گزر جاتے ہیں اور جو بے چارے غم و حسرت اور مایوسیوں کے سمندر میں ہاتھ پاؤں مارتے رہتے ہیں ان کے لیے سال کی مدت بہت طویل ہو جاتی ہے۔ انہیں یہ محسوس ہوتا ہے جیسے یہ سال بہت دیر سے ختم ہوا ہے۔"

"جی ہاں بجا فرمایا۔ اچھی تشریح کی۔ میرے نظریے کی عطیہ یار! کچھ کھانے کو ملے گا یا یونہی بھوکا بٹھائے رکھو گی۔"

"ایک منٹ صبر کریں بھائی جان! ابھی تو مسالا بھون کر گوشت ڈالا ہے۔"

وہ باورچی خانے سے جواباً پکاری تھی۔

"اتنی دیر!" بھئی مجھے تو سخت بھوک لگ رہی ہے۔" شایان نے واویلا کیا۔

"تم لوگوں نے کھانا بنا لیا ہے؟" پھر وہ نیا کی طرف مڑا تھا۔

"ہاں ابھی تھوڑی دیر پہلے امی نے مٹر پلاؤ اور چکن قورمہ چولھے سے اتارا ہے۔ میں اظہر کے ہاتھ بھجوا دیتی ہوں۔" نیا فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"بہت مہربانی، جگ جگ جیو، خوش رہو۔"

"بھئی سنا ہے بھوکے کو کھانا کھلانے کا بڑا ثواب ملتا ہے۔ اس لیے یہ مہربانی کر رہی ہوں۔"

نیا شرارت سے باورچی خانے سے برآمد ہوتی عطیہ کو دیکھ کر مسکرائی تھی۔

"اس مہربانی کا شکریہ اب کھانا بھی لاؤ گی یا یہیں کھڑی رہو گی۔"

. ☆ .. ☆ .*

"کب جانے کا ارادہ ہے تمہارا بیٹے؟"

خالدہ خالہ سلام دعا کے بعد اسے تخت پر بٹھاتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔ اماں بھی ادھر ہی آئی ہوئی تھیں۔

"آج شام کو جاؤں گا خالہ۔"

"اے شام کو تو نیا نے بھی جانا ہے۔ پھر خالدہ! اسے شان کے ساتھ ہی بھیج دو۔ شہر سے لاہور والی گاڑی پر بٹھا دے گا۔ تسلی بھی رہے گی۔" اماں نے تجویز دی تھی۔

"ہاں اس سے اچھی کیا بات ہو گی۔ مگر بیٹے! تمہیں مسئلہ تو نہیں ہو گا۔" خالدہ خالہ خوش ہو گئیں۔

"کیسی بات کرتی ہیں خالہ! بس اس چڑیل سے کہہ دیں ٹائم سے تیار ہو جائے، ایک تو ان لڑکیوں کے جھنجھٹ بہت ہوتے ہیں خالہ۔" وہ ان کے پاس بیٹھ گیا تھا۔

"جوتے، کپڑے، جیولری اور خدا جانے کن کن چیزوں کا انبار لاد کے لے آتی ہیں۔"

"افوہ اور خود لڑکے کیا جوتے کپڑے نہیں پہنتے؟" نیا خفگی سے بولی۔

"اچھا جاؤ اب اپنا سامان باندھو بعد میں لڑ لینا۔"

Scanned with CamScanner

خالدہ نے بیٹی کو جھڑکا۔ وہ برے برے منہ بنا کر اندر چلی گئی۔

"اب کب آؤ گے تم؟" اماں شایان سے مخاطب تھیں۔

"ایک ماہ بعد رمضان شروع ہو رہا ہے۔ ظاہر ہے اب عید پر ہی چھٹی ملے گی۔" شایان نے حساب لگا کر بتایا۔

"ٹھیک ہے پھر تمہاری شادی کے لیے عید کے بعد کی کوئی تاریخ طے کر لیتے ہیں۔" اماں کا لہجہ مطمئن اور بے پروا تھا۔ شایان کے تو سر سے لگی اور پاؤں پر بجھی وہ انگارے کی طرح چیخ گیا۔

"کچھ بھی طے نہیں ہو گا۔" وہ سختی سے گویا ہوا۔ پیشانی ناگواری کی لکیروں سے پر ہو گئی تھی۔

"دیکھ رہی ہو خالدہ دیکھ رہی ہو ناں اس کی گستاخیاں۔" رقت' اور بے بسی سے اماں کا لہجہ چھلکنے لگا۔

"اسی طرح دکھ دیتا ہے یہ لڑکا' یہ ہے ماں کی حیثیت تمہاری اتنی تعلیم نے تمہیں یہی سکھایا ہے کہ بزرگوں کی نافرمانی کرو"

"مان جاؤ بیٹے ماں کا مان رکھ لو۔" خالدہ خالہ نے نرمی سے نصیحت کی۔

"آپ بھی اماں کی ہم نوا بن گئی ہیں؟" وہ شکستگی سے بولا۔

"ماں باپ کے فیصلے کبھی غلط نہیں ہوا کرتے بیٹے۔ وہ بچوں کی بھلائی کے لیے ہی کرتے ہیں۔" خالدہ تسبیح سے سمجھا رہی تھیں۔

"لیکن اگر اولاد اپنی سمجھ داری کا ثبوت دیتے ہوئے ماں باپ کو یہ باور کرا دے کہ اس فیصلے میں بھلائی کا کوئی چانس نہیں ہے تو والدین کو اولاد کی سننی چاہیے۔" وہ ناراضگی سے انہیں دیکھنے لگا۔

"ہاں دو جماعتیں پڑھ کے تو مجھ سے زیادہ جان گیا ہے ناں۔" اماں طنز سے اسے گھورنے لگیں۔

"بڑا عقلمند بن گیا ہے اور ماں تو ٹھہری جاہل پاگل۔" وہ اشک بہانے لگیں۔

"خوامخواہ بات کا بتنگڑ نہ بنایا کریں اماں! آخر کیا مل جائے گا آپ کو اپنی منوا کر۔ محض اپنی بہن کے سامنے ایک تفاخر کا احساس اور اس فضول سے احساس تفاخر کے مظاہرے کے لیے آپ میری زندگی داؤ پر لگا رہی ہیں۔ آخر سمجھتی کیوں نہیں ہیں آپ۔" وہ تلملا رہا تھا۔

"بہرحال مجھے اپنے خاندان کی لڑکی گھر لانی ہے۔ بھلے سے تم باہر سے سونے کی مورت لے آؤ میں ہرگز قبول نہیں کروں گی اگر تمہاری شادی ہو گی تو میری بہن کی بیٹی سے۔ بس میں نے کہہ دیا ہے لوگ کیا کہیں گے کہ خاندان میں رشتہ موجود ہونے کے باوجود میں گھر کی لڑکیاں رد کر کے باہر سے بہو بیاہ لائی۔ لعنتیں بھیجیں گے سب مجھ پر۔ آخر اپنے ہی اپنوں کے کام آتے ہیں۔ تمہیں اپنی خالہ کی پوزیشن سمجھنی چاہیے۔ دمے کی مریضہ ہے بے چاری۔ اس کی زندگی کا چراغ ٹمٹما رہا ہے۔ اپنے آنکھوں کے سامنے بیٹی کو گھر بار کا ہوتے دیکھنا چاہتی ہے۔ ابھی الفت کے بعد دو اور لڑکیاں بھی پڑی ہیں۔"

"لفظوں سے صورت حال کو مظلوم اور قابل رحم بنا کر اگلے بندے کو بلیک میل کرنا آپ کو خوب آتا ہے۔" وہ ماں کو ملامت سے دیکھ رہا تھا۔

"اول تو خالہ جان کی حالت اتنی سیریس نہیں ہے کہ خدانخواستہ جان کے لالے پڑ جائیں دوسرے الفت ایسی گئی گزری نہیں ہے کہ اسے رشتوں کا کال ہو ابھی تو جوان ہے خوش شکل ہے مناسب عمر کی ہے۔ اسے اپنے مزاج کا اچھا رشتہ مل جائے گا۔ ایسی کوئی قیامت نہیں ٹوٹی پڑ رہی۔"

شایان صاف صاف اپنا نقطۂ نظر بتا رہا تھا۔

"اور رہی بات خاندان کی لڑکی لانے کی تو کیا اولاد ریوڑی ہوتی ہے جسے پھوپھی' تائی یا خالہ' ممانی میں بانٹ دیا جائے کسی حدیث میں نہیں لکھا ہوا کہ خاندان کی لڑکی سے نکاح فرض ہے۔ یہ آپ بزرگ اپنے رشتے مضبوط کرنے کے چکر میں اپنے بیٹے اور بیٹیوں کو خالہ' ماموں یا پھوپھو کی جھولی میں ڈال کر سمجھ لیتے ہیں کہ اس طرح اولاد کی خوشیاں اور خاندان کا اتحاد برقرار رہے گا۔ آخر کیا ضمانت ہے آپ کے پاس

آئندہ نسل کی خوشیوں کی؟ کیوں انہیں اپنی جاہلانہ سوچ کی بھینٹ چڑھاتے ہیں؟ اگر بہن بھائی سے رشتہ قائم و دائم رہنا ہے تو وہ لڑکی اور لڑکے کی خیرات دیے بغیر بھی برقرار رہ سکتا ہے۔ بہن کی بیٹی یا بھائی کا بیٹا فرزندی میں لے لینے سے رشتے مضبوط نہیں ہوا کرتے۔ تعلق تو دل کا ہوتا ہے' جذبات کا ہوتا ہے۔ نرالے ہی دستور ہیں یہاں کے۔"

وہ جل بھن کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"اب کہاں چل دیے۔ جب بھی بات چھیڑو الٹا سیدھا بک کر باہر نکل جاتے ہو ٹھہرو بات انجام تک پہنچا کر جانا۔" اماں غصے سے اسے گھور رہی تھیں۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے۔ جا کر سامان باندھنا ہے۔"

وہ سنی ان سنی ایک کرتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

اماں بل کھا کر رہ گئیں۔

○ ○ ○ ○

وہ روانگی کے مقررہ ٹائم سے کچھ پہلے ہی اماں کی طرف آگئی تھی۔

"کیا ہوا؟ کوئی تصفیہ ہوا اماں اور شایان بھائی کے درمیان؟"

وہ صحن کے بیچوں بیچ اگے نیم کے پیڑ کے نیچے گرے سوکھے پتے جھاڑو سے اکٹھی کرتی عطیہ کے پاس آکر رکی تھی۔

"ابھی کہاں اس معاملے کو سلجھنے میں تو صدیاں لگیں گی۔" عطیہ جھاڑو رکھ کر ہاتھ جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بھئی میں سوچ رہی تھی ان کی شادی کا کچھ اتا پتا لگے تو کپڑے لتے بنوالیں۔ تمہاری شادی کے لیے تو میں نے دو جوڑے سلوا لیے ہیں مگر شایان بھائی کی شادی کی تو بات ہی اور ہو گی۔" نیا جوش سے بتا رہی تھی۔

"ہاں یہ تو ہے۔ مجھے بھی بڑا ارمان ہے کہ بھائی جان کی شادی اٹینڈ کر کے جاؤں۔"

عطیہ اسے لیے اندر آگئی۔ اظہر صحن میں پڑی چارپائی پر نیا کا بیگ رکھ چکا تھا۔

"باجی! میں جا رہا ہوں۔ گراؤنڈ میں میرے دوست منتظر ہوں گے۔" اظہر پر کرکٹ کا بھوت سوار تھا۔

"اچھا بابا جاؤ۔ مستقبل کے عمران خان۔" نیا نے اس کے بال بکھیرے۔

نیا اماں کے کمرے میں ہی چلی آئی۔ جہاں شایان ان سے مذاکرات کر رہا تھا۔

"کیا نتیجہ نکلا مذاکرات کا؟" وہ اماں کو سلام کر کے ان کے پاس ہی رضائی میں گھس کر بیٹھ گئی۔

"کیا نکلنا ہے۔" اماں تھکے تھکے انداز میں بولیں۔

شایان الجھے قدموں سے تیار ہونے کے لیے باہر نکل گیا تھا۔

"تو کیا شایان بھائی نہیں مانے۔"

"ارے مانے گا کیسے نہیں۔ اس کے تو اچھے بھی مانیں گے۔ ابھی تو یہی رٹ لگائی ہے کہ پہلے عطیہ کی شادی کر دیں۔ پھر دیکھا جائے گا۔"

پھر وہ کچھ ٹھنڈی پڑ گئیں۔

"میں سوچ رہی ہوں عید کے بعد بیاہ کی تاریخ رکھ دیتے ہیں۔ جب تک میں الفت کی امی کو ٹال دوں گی۔ یوں بھی عید کون سا دور ہے دو ماہ ہی تو رہتے ہیں۔"

"چلیے۔ کچھ تو بات بنی۔" نیا نے اطمینان کی سانس لی۔ ویسے وہ جان گئی تھی کہ اماں کی بات پتھر پر لکیر ہے۔ شایان بھائی لاکھ سر پٹخیں مگر ہو گا وہی جو اماں چاہیں گی۔

"چلیں پھر۔" شایان تیار ہو کر اندر آگیا تھا۔ نیا کی آمد کے باعث اس نے خود پر قابو پا لیا تھا اور اب کسی حد تک نارمل تھا۔

"جا کر خط ضرور لکھنا۔" اماں شایان کو تاکید کرتی ہوئی رخصت کرنے کے لیے دروازے تک ساتھ آئی تھیں۔

"جی اچھا۔" اس نے جھک کر ان سے سر پر پیار لیا۔ عطیہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ساتھ کے گیٹ پر کھڑی خالدہ خالہ کو سلام کرنے کے بعد چل پڑا۔

شایان کا اپنا بیگ تو مختصر سا تھا البتہ نیا کا سامان ایک سوٹ کیس اور ایک ہینڈ بیگ پر مشتمل تھا۔

اس کا سوٹ کیس ہاتھ میں تھام کر اپنا بیگ کندھے سے لگائے وہ نیا کو ساتھ لیے ویگن اسٹینڈ کی طرف جا

Scanned with CamScanner

رہا تھا جو گھر سے دو چار منٹ کے فاصلے پر تھا۔
ویگن تیار تھی۔ دونوں کو درمیانی سیٹوں پر جگہ ملی تھی۔ تقریباً" آدھے گھنٹے بعد وہ ریلوے اسٹیشن کے اسٹاپ پر اتر گئے۔

"تم ادھر بیٹھو۔ میں گاڑیوں کے اوقات معلوم کر کے آتا ہوں۔" وہ اسے وزیٹنگ روم میں بٹھا کر سامان پاس رکھتے ہوئے بولا۔

لاہور کے لیے نیا کا ٹکٹ اظہر صبح ہی لے آیا تھا۔ شایان کو تو ملتان براستہ فلائنگ کوچ جانا تھا۔ کوئی بھی کوچ پکڑ سکتا تھا اس لیے اسے جلدی نہیں تھی۔ نیا کو ٹرین پر سوار کرانے کے بعد ہی روانہ ہونا تھا۔

"لو بھئی' وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔" وہ ہاتھ جھاڑتا ہوا واپس وزیٹنگ روم میں آیا تھا۔

"کیا ہوا۔" نیا نے بے ساختہ سوال کیا۔

"بھئی' گاڑی لیٹ ہے۔" وہ اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا۔ "اس کی آمد کا وقت شام چار بجے کا تھا مگر کاؤنٹر پر معلوم ہوا ہے کہ گاڑی دو گھنٹے لیٹ ہے۔"

"دو گھنٹے اوہ نو۔" نیا پریشان ہو گئی۔

"چلو گزر ہی جائے گا وقت کسی نہ کسی طرح۔" وہ ایزی ہو کر بیٹھ گیا۔

"آپ کو میری وجہ سے خوامخواہ دیر ہو گئی۔ ایسا کریں' آپ چلے جائیں۔"

"یہ کبھی ہو سکتا ہے؟" شایان نے اعتماد سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"دو گھنٹے میں تو آپ ملتان کی حدود میں داخل ہو چکے ہوں گے۔ اتنی دیر بے کار میں وقت ضائع کریں گے۔ میری مانیں تو چلے جائیں شایان بھائی! یہاں سے لیٹ نکلیں گے تو ملتان جا کر رات گئے رکشے ٹیکسی کی تلاش میں پریشان ہوں گے۔ جبکہ میرا تو سارا سفر رات کا ہے۔ صبح سات بجے لاہور پہنچوں گی۔" وہ فکرمندی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تم میری فکر نہیں کرو۔ میں اپنی منزل پر پہنچ جاؤں گا۔ تم میری ذمہ داری ہو اور تم جانتی ہو' میں اپنی ذمہ داری بہت تن دہی سے نبھاتا ہوں اگر تم تھکی ہوئی نہیں ہو تو چلو پلیٹ فارم کے باہر ریلوے ٹریک کے آس پاس چہل قدمی کرتے ہیں۔"

"ضرور چلیے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

یہ پلیٹ فارم بہت غیر معروف' سنسان اور مختصر تھا۔ اکا دکا لوگ دکھائی دے رہے تھے۔ بس نام کو ہی اسٹیشن کہلاتا تھا۔ مختصر سی عمارت تھی جس میں ایک وزیٹنگ روم' ایک چھوٹی سی چائے کی کینٹین انتظامیہ کا آفس' ایک زنانہ اور ایک مردانہ ٹوائلٹ اور برآمدہ شامل تھے۔

ریلوے ٹریک پر دو لائنیں بچھی ہوئی تھیں۔ گویا بیک وقت یہاں دو ٹرینیں گزر سکتی تھیں۔ دائیں جانب والی ریلوے لائن پر اس وقت ایک مال گاڑی کھڑی تھی۔ جو چلنے کے لیے بالکل تیار تھی۔ دوسری لائن پر کسی ٹرین کی آمد کے کوئی آثار نہیں تھے۔ وہ ریلوے لائنوں کے اطراف بنی پختہ پگڈنڈیوں کی طرف بڑھ گئے۔

مال گاڑی کے جانے کے بعد اسٹیشن پھر خاموش اور سنسان ہو گیا تھا۔ وہ دونوں ریلوے ٹریک کے دائیں جانب والی پگڈنڈی پر ٹہلتے ہوئے سیدھے چلے جا رہے تھے۔

شام کا تھکا ہارا ڈھلتا ہوا شاہ خاور براہ راست ان کی آنکھوں کے سامنے تھا' مگر اس سے نکلنے والی رنگین شعاعیں بڑی بے ضرر اور خوشگوار محسوس ہو رہی تھیں۔ آسمان کے تھال پر شفق کی سرخی جلوہ افروز ہو چکی تھی۔

"کتنا اچھا لگ رہا ہے یہ سماں۔ ہے ناں شایان بھائی۔"

اس نے پشت پر ہاتھ باندھے اپنے ہمراہ قدم بڑھاتے شایان کی طرف گردن موڑ کر دیکھتے ہوئے دلچسپی سے استفسار کیا تھا۔

"ڈھلتی ہوئی عمر کا کمزور سورج اور اس کی نارنجی گلابی معصوم کرنیں' شام کی سبک رو ہوا' ٹھہرے ہوئے لمحے' حدت و برودت کا حسین امتزاج لیے نرم گرم سی سہانی فضا جو بیک وقت خنک بھی ہے اور خشک بھی۔"

شایان ایک دم جھٹکا کھا کر رکا تھا۔ نیا اپنی دھن میں

Scanned with CamScanner

روانی سے بولے چلے جا رہی تھی۔ لیمن کلر کے سادہ سے شلوار کرتے اور دوپٹے میں اس کا دمکتا ہوا تر و تازہ چہرہ شفق رنگ شعاعوں سے مزید فریش اور اجلا لگ رہا تھا۔

"کیا ہوا؟ کیا میں نے کچھ غلط کہہ دیا۔" اس کی نظریں تسلسل اپنے وجود پر مرکوز دیکھ کر نیا پریشان سی ہو کر رک گئی تھی۔

"یار! یہ تم نے ہی منظر کشی کی تھی ناں! کس قدر خوب صورت اور اچھے انداز میں الفاظ اور تشبیہات کا چناؤ کیا ہے۔ میں تو انگشت بدنداں رہ گیا۔"

شایان کے لہجے میں بے ساختہ تحسین کے رنگ امنڈ آئے تھے۔

"اس منظر کی اس سے خوب صورت تشریح اور ہو ہی نہیں سکتی۔ ابھی میں یہی سوچ رہا تھا کہ ماحول اور محسوسات کی کس طرح وضاحت کی جائے۔ تم نے تو کمال کر دیا۔ آئی ریئلی ایڈمائر یو۔"

"بہت شکریہ شایان بھائی۔" وہ کچھ شرمندہ سی ہو کر ہنس پڑی۔

"میں تو ڈر رہی گئی تھی کہ جانے میرے سر پر سینگ نکل آئے ہیں جو آپ مجھے اتنی تفصیلی نظر سے دیکھ رہے ہیں۔" دونوں پھر چل پڑے تھے۔

"کتنا سکون ہے ناں یہاں۔" شایان نے اردگرد دیکھتے ہوئے گہرا سانس لیا تھا۔

"واقعی میں بھی یہی کہنے والی تھی۔"

ریلوے ٹریک کے اردگرد وسیع رقبے پر سرسبز فصلوں اور باغات کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ تاحد نظر کھیت ہی کھیت نظر آتے تھے۔ سبزہ، شفق اور سکون کا اتھاہ احساس ماحول کی دلکشی اور سحر آفرینی کو دو چند کرنے میں بنیادی کردار ادا کر رہا تھا۔

"ایک مدت بعد دو گھڑی کو ذہنی و جسمانی طمانیت کا احساس ہوا ہے۔ ورنہ اماں جان سے روز روز کی جھڑپوں نے دماغ کی چولیں ہلا ڈالی تھیں۔"

شایان کا لہجہ بھی پرسکون اور خوشگوار انداز میں ڈھل گیا تھا۔

"اصل میں کچھ قصور آپ کا اپنا بھی ہے شایان بھائی۔" نیا تدبر سے بولی۔ "آپ کو شروع سے اپنے خیالات اماں پر واضح کر دینے چاہیے تھے۔ تاکہ بات وہیں ختم ہو جاتی۔ اب اتنے برس گزر جانے کے بعد انکار کا لفظ اماں کے لیے بھی ناقابل برداشت ہو گیا ہے۔"

"تم ہمارے خاندانی سسٹم کو نہیں جانتیں۔ شادی بیاہ کے تمام تر معاملات بزرگوں کی ذاتی پسند ناپسند کے مطابق طے پاتے ہیں۔ اولاد سے بس واجبی اور رسمی سی بات چیت کی جاتی ہے وہ بھی اپنے پہلے سے کیے گئے فیصلے کی توثیق کرانے کے لیے' اماں نے سب کے رشتے خود ہی طے کیے ہیں۔ ان کے فیصلوں میں ترمیم کی گنجائش نہیں ہوتی۔" وہ زہر خند ہوا۔

"جب آپ کو پتا ہے کہ ہو گا وہی جو اماں چاہیں گی تو پھر یہ احتجاج اور ہٹ دھرمی چہ معنی دارد" دنیا نے صاف گوئی سے سوال کیا۔

"دیکھو نیا! میں یہ تاثر غلط ثابت کر دینا چاہتا ہوں کہ دشوار ترین مرحلے کا واحد حل اس سے فرار یا پسپائی میں پوشیدہ ہے۔ ٹھیک ہے بزرگ ہماری بہتری کے لیے سب کچھ کرتے ہیں مگر وہ انسان ہیں۔ کوئی فرشتے نہیں ہیں جن سے غلطی سرزد نہیں ہو سکتی۔ اپنی بہن کی بیٹی سے زبردستی شادی کی یہ ضد بچکانہ ہی تو ہے۔ یہ رشتہ نہیں نبھ سکتا اور مجھے اس پر احتجاج کا پورا پورا حق ہے۔" وہ ایک تواتر سے بولتا چلا جا رہا تھا۔

"پھر تجربے سے یہ ثابت بھی ہو چکا ہے کہ اس قسم کے "بند ربانٹ" والے رشتے بڑی قابل رحم صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ الفت کے ابا خالو رحیم کسی اور کو پسند کرتے تھے' اسے گھر لانا چاہتے تھے مگر ان کی اماں نے اپنی بھاوج کی بیٹی کو مانگ رکھا تھا بیٹے کے لیے۔ یوں زینت خالہ رحیم خالو کے ہاں آ گئیں۔ مگر اس زور و زبردستی کا کیا نتیجہ نکلا۔ ساری زندگی ناچاقی' گھریلو جھگڑوں اور ہنگامہ آرائی میں گزری نہ خالو خوش نہ خالہ اور نہ بچے۔ خالہ محرومیوں سے سمجھوتہ کرتے کرتے تھک گئیں تو چارپائی پکڑ لی اور بچے ماں باپ کی عدم توجہی کی نذر ہو کر کچھ کے کچھ بن گئے۔ میں نہیں

Scanned with CamScanner

چاہتا یہی مناظر میرے گھر میں بھی دیکھنے کو ملیں اور میرے بچے بھی احساس محرومی، تنہائی، جارحیت اور منتقمانہ جذبات لے کر بڑے ہوں۔"

"صحیح کہتے ہیں آپ شایان بھائی! میں آپ کے نقطۂ نظر سے مکمل اتفاق کرتی ہوں۔ بچے کی فطرت اس کے ماں باپ کی فطرت اور تربیت کا عکس ہوتی ہے۔ اگر والدین کی فطرتوں میں تضاد ہو تو یہی تضاد اولاد میں منتقل ہو جاتا ہے۔"

دونوں موضوع کی گہرائی میں ڈوب کر تبادلۂ خیال کر رہے تھے۔

"یہ بات اپنے بزرگوں کو کون سمجھائے۔" شایان نے ٹھنڈی سانس لی۔ "اسی وجہ سے تو ریسرچ اسکالرز نے خاندان میں نسل در نسل آپس میں شادیاں کرنے کے نقصانات بیان کیے ہیں کہ اس طرح خاندانی بیماریوں کے ساتھ ساتھ ذہنی رجحانات، رویے، رجعت پسندانہ سوچ اور احساسات و جذبات بھی ورثے کی شکل میں اگلی نسلوں میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ نیا جوش، نئی سوچ اور جذبات و احساسات میں تبدیلی کی خاطر اور خاندانی اثر سے نکلنے کے لیے باہر شادیوں کا تجربہ ضروری ہے۔ تاکہ نسلی ذہانت اور طبعی رجحانات میں مثبت اور نمایاں تبدیلی واقع ہو۔"

وہ لوگ پگڈنڈی پر دور تک چلتے رہنے کے بعد اب واپسی کی راہ پر ہو لیے تھے، اس طرح کہ اب سورج ان کی پشت پر تھا اور آنکھوں کے سامنے سرمئی سرخ اور کچھ کاسنی کاسنی سا آسمان انہیں خوش آمدید کہہ رہا تھا۔

"ویسے شایان بھائی! آپ بھی بڑے نکمے نکلے۔ کوئی ایک آدھ افیئر لڑایا ہوتا تو آرام سے اماں کے سامنے محترمہ کو پیش کر دیتے کہ بھئی میں نے تو شادی کے لیے لڑکی کا انتخاب کر لیا ہے۔" وہ شریر سی ہو گئی تھی۔

"اچھا اور اماں میرے ساتھ ساتھ اس لڑکی کا بھی سر گنجا کر دیتیں کہ تیری یہ مجال۔" وہ ہنس پڑا۔

"لیکن آپ یونیورسٹی میں پڑھتے رہے ہیں اور اب پڑھا بھی رہے ہیں۔ حیرانی کی بات ہے۔ آپ کو کوئی ایک لڑکی بھی پسند نہ آئی!"

"کبھی دھیان ہی نہیں دیا ایسے معاملات پر۔" شایان سنجیدہ ہو گیا۔

"یوں سمجھ لو آج تک پڑھائی ہی میری محبوبہ رہی ہے۔ تعلیمی دور میں اچھے نمبر حاصل کرنے کی دھن سوار رہتی تھی اور اب تدریسی دور میں اچھا استاد بننے کی تگ و دو رہتی ہے، اس سے آگے کا نہ کبھی سوچا اور نہ خواہش و حسرت رہی ہے۔"

اب وہ لوگ پلیٹ فارم کی عمارت کے قریب آتے جا رہے تھے دو گھنٹے گزر چکے تھے اور اب کسی لمحے ٹرین آیا ہی چاہتی تھی۔

شایان ویٹنگ روم سے سامان لے آیا تھا۔ پلیٹ فارم پر ایک سنگی بینچ کے پاس سامان رکھنے کے بعد وہ نیا کو اشارہ کرتے ہوئے خود بھی بینچ کے ایک کونے پر بیٹھ گیا۔

"بہت اچھا وقت گزرا تمہارے ساتھ۔" شایان کو ایک مدت کے بعد ذہنی و قلبی سکون ملا تھا اور یہ نیا کی رفاقت کا اعجاز تھا۔

"مجھے بھی بہت مزہ آیا۔" نیا خلوص سے بولی۔

"اصل میں گوسپ لڑانے اور شخصیات، واقعات پر تبصرہ کرنے کے لیے تو بہت سے لوگ مل جاتے ہیں۔ مگر ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جن کی کمپنی میں انسان ذہنی و نفسیاتی مسائل کی گتھیاں سلجھاتا ہے۔ معاشرتی اور اخلاقی نظریات و خیالات کو موضوع گفتگو بنا کر غیر جانبداری سے اس پر سیر حاصل تبادلہ خیال کرنے والے آج ڈھونڈے نہیں ملتے، یہی وجہ ہے کہ آج کے دور کا انسان جسمانی تعیش کے تمام تر لوازمات کے باوجود ذہنی طور پر تنہا ہے۔ وہ اندر سے خالی ہے۔"

شایان نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا تھا۔ اچانک ہی ایک عجیب سا خیال، ایک نیا احساس اس کے قلب و دماغ پر حملہ آور ہوا تھا۔ وہ عجیب سی کیفیت میں گھر گیا۔ اس کیفیت کو سمجھنا دشوار تھا۔ مگر کچھ ہوا ضرور تھا۔

ریل گاڑی کا مخصوص ہارن دور سے سنائی دے رہا

Scanned with CamScanner

تھا۔ نیا عجلت میں اٹھ کھڑی ہوئی۔
وہ بھی سر جھٹک کر وادی خیال سے واپس لوٹ آیا۔ ٹرین رک چکی تھی۔ یہ چھوٹا سا اسٹیشن تھا۔ یہاں زیادہ دیر تک گاڑی نہیں ٹھہرتی تھی۔ اس لیے دونوں ہی تیزی سے فرسٹ کلاس کے ڈبوں کی طرف بڑھے تھے۔

رش زیادہ نہیں تھا۔ نیا کو سیٹ پر پہنچا کر اس کا سوٹ کیس اوپر کے خانے میں احتیاط سے سیٹ کرنے کے بعد شایان اس کی طرف مڑا تھا۔

"تم بیٹھو۔ میں تمہارے لیے کچھ کھانے پینے کی چیزیں لے آتا ہوں۔ افسوس باتوں میں یاد ہی نہیں رہا۔"

"رہنے دیں شایان بھائی! اس کی ضرورت نہیں ہے۔ کچھ دیر بعد ٹرین چل پڑے گی۔" نیا نے جلدی سے روکا۔

"میں بس ایک منٹ میں آیا۔" نیا کے روکنے کے باوجود وہ ٹرین سے اتر گیا۔

تھوڑی دیر بعد واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں پھلوں کے لفافوں کے علاوہ چپس، نمکو اور جوس کے پیکٹ تھے۔

"افوہ اتنا تکلف۔ آپ نے خوامخواہ زحمت کی شایان بھائی۔" نیا اتنا سامان دیکھ کر ناراض ہو رہی تھی۔

"امی نے ناشتہ اور کھانا ساتھ باندھ دیا تھا۔" وہ مزید بولی۔

"اتنا لمبا سفر ہے۔ راستے میں بھوک تو لگے گی۔ یوں بھی یہ زیادہ نہیں ہے۔" اس کے اس درجہ خیال رکھنے پر نیا کی آنکھیں تشکر سے نم ہو گئیں۔

"شکریہ شایان بھائی۔"

"اونہوں فضول نہیں بولو۔" شایان نے اس کے سر پر چپت رسید کی۔ "اچھا بھئی خدا حافظ۔"

ٹرین روانگی کا وسل دے رہی تھی۔

"خدا حافظ شایان بھائی۔" نیا نے جی جان سے خدا حافظ کہا۔ شایان نیچے اتر گیا تھا۔ ٹرین دھیرے دھیرے رفتار پکڑنے لگی تھی۔

"چلو بھائی شایان حمید، تم بھی کوچ کرو۔"

شایان نے اپنا بیگ اٹھایا اور اسٹیشن سے کچھ فاصلے پر کھڑے تانگے کو ہاتھ دے کر اسے فلائنگ کوچ کے اڈے پر جانے کی ہدایت کرنے لگا۔

. ☆ .. ☆ .*

وقت کچھ اور آگے بڑھ گیا۔ رمضان المبارک کے آخر میں تمام سرکاری اداروں میں عید الفطر کی چھٹیاں ہو گئیں۔ شایان کو اماں کا خط مل گیا تھا جس میں لکھا تھا کہ عید کے ایک ہفتے بعد عطیہ کی شادی کی تاریخ رکھی گئی ہے اس لیے وہ عید کی چھٹیوں کے بعد مزید ایک ہفتے کی چھٹی لے کر گھر واپس آیا تھا۔

عطیہ کی شادی میں خالدہ خالہ اور ان کے تمام بچوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اماں نے خود اپنے منہ سے اعتراف کیا تھا۔

"خالدہ! جتنا تم نے میرا ساتھ دیا ہے، اتنا تو آج کے دور میں سگے بھی نہیں کرتے۔"

نیا بھی لاہور سے آ چکی تھی۔ عطیہ کے جوڑے ٹانکنے اور دوپٹوں کی بیلیں لگانے میں رات کے دو تو ان کے گھر میں ہی بج جاتے تھے۔

دن میں بھی سارا دن مہمانوں کی آؤ بھگت میں مصروف رہتی۔ اماں کے بہت سے رشتے دار شادی سے ایک ہفتہ پہلے ڈیرے جما چکے تھے۔ ان کی خاطر مدارات اور آرام و سکون کا خیال رکھنے کے لیے نیا پھرکی کی طرح ادھر ادھر گھومتی رہتی تھی۔

"ارے بھئی، بیمار پڑ جاؤ گی اس طرح۔ بندہ چھٹیوں میں گھر آرام کے لیے آتا ہے۔ تم الٹا دگنی مشقت کر رہی ہو۔" شایان نے اسے کئی بار ٹوکا تھا۔

"کوئی بات نہیں شایان بھائی۔ اپنے گھر کا کام کرنے میں کیا تھکن۔" وہ خوش دلی سے مسکرا دیتی۔

زینت خالہ بھی اپنی چھوٹی بیٹیوں کے ہمراہ شادی پر آئی ہوئی تھیں۔

"ارے بھئی الفت تو بہت کہہ رہی تھی کہ مجھے عطیہ کی شادی پر جانا ہے مگر میں نے منع کر دیا۔" اماں کے پوچھنے پر وہ ان کا ہاتھ دباتے ہوئے ٹھٹھا مار کر ہنسیں "میں نے کہا ابھی ایک دو مہینے میں تو خود

Scanned with CamScanner

دلہن بن کے ان کے گھر چلی جائے گی۔ لڑکیاں شادی سے پہلے سسرال نہیں جایا کرتیں۔"

اتفاق سے شایان نے بھی ان کی گفتگو سنی تھی۔ اس کا دل جل کر کوئلہ ہو گیا۔ وہ بگڑا موڈ لیے باہر نکل گیا۔

"آپ کی ہونے والی ساس تو بڑی ٹھسے والی ہیں۔ جانے ہماری بھابھی کس طرح کی ہوں گی۔"

نیا نے اسے دیکھ کر شرارت سے پاس بیٹھی عطیہ کو کندھا مارا تھا وہ عطیہ کے ہاتھوں پر مہندی لگا رہی تھی۔

"شٹ اپ۔" شایان نے برا سا منہ بنایا۔

"کمال ہے' لوگ ایکٹنگ بھی کر لیتے ہیں۔ دل میں جوش ہو رہے ہوں گے اور اوپر سے یہ ناز نخرے' یہ ادائیں۔"

وہ چھیڑ خانی سے باز نہیں آ رہی تھی۔ شایان نے ایک گہری نظر اس کے بے پروا وجود پر ڈالی اور پھر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"ویسے الفت آپی خاصی حسین ہیں۔" عطیہ نے نیا کی معلومات میں اضافہ کیا۔ "اونچا قد' صحت مند بھرپور سراپا' گورا رنگ' غزالی آنکھیں۔"

"بس کرو یہ تعریف نامہ۔" شایان بھنا کر بولا۔

"پھر تو ہمارے شایان بھائی کے ساتھ خوب سجے گی۔" نیا نے شوخی سے شایان کی طرف دیکھا تھا۔ اس کے نرم گلابی لبوں پر تبسم مچل رہا تھا۔ چمکدار آنکھوں میں شریر سی کیفیت ڈول رہی تھی۔ اس کے ہمارے شایان بھائی کہنے پر شایان نے چونک کر اس کی شکل دیکھی تھی۔ ایک لمحے کو وہ محو سا ہو گیا۔

"اب تم بھی میرا مذاق اڑاؤ گی۔" وہ سنبھل کر شکایت کے سے انداز میں بولا فوراً" ہی نظر چرا لی تھی۔

"سیریس نہ ہوں بھئی۔ یہ خوشی کا موقع ہے۔ ہم تو یونہی چھیڑ رہے ہیں بس۔"

عطیہ کی مہندی مکمل کرنے کے بعد وہ اپنے بائیں ہاتھ پر نقش و نگار بنا رہی تھی۔ اسی لمحے اماں کے آواز دینے پر عطیہ باہر چلی گئی تھی۔

"لو بھئی' ایک ہاتھ پر تو مکمل ہو گئی۔ دوسرے پر کس سے لگواؤں۔" اس کا گورا سفید ہاتھ مہندی سے سج کر بڑا دلکش لگ رہا تھا۔

"لاؤ میں لگا دوں۔" وہ بے ارادہ اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"ارے آپ۔" نیا کو ہنسی آ گئی۔

"اب استاد بھی یہ کام کرنے لگے۔"

"ارے استادوں ہی سے تو لوگ سیکھتے ہیں۔ لاؤ ادھر دو ہاتھ۔"

اس نے جھجکتے ہوئے شایان کی چوڑی مضبوط ہتھیلی پر اپنا پھول سا نازک ہاتھ رکھ دیا۔ شایان نے دوسرے ہاتھ سے کون پکڑی اور جانے کیا بنانے لگا۔

"یہ کون سا ڈیزائن ہے شایان بھائی۔" نیا غور سے کون سے ٹپکتی مہندی کی دھار کو دیکھ رہی تھی۔

"بس دیکھتی جاؤ۔" وہ اپنے کام میں منہمک تھا۔ نرم و نازک سے ہاتھ کا خنک خوشبودار لمس جیسے رگ جاں میں اتر گیا تھا۔

"کب مکمل ہو گا آپ کا ڈیزائن؟" نیا کو بے چینی تھی۔

"یہ لو' ہو گیا مکمل۔" شایان نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"نیا خان دی ازگور جیئس اینڈ گریس فل۔" نیا اپنے ہاتھ پہ لکھے جملے کو پڑھ رہی تھی۔

"یہ کیا۔" اس نے حیرت و مسرت سے شایان کی طرف دیکھا۔

وہ مسکرا دیا۔

"کیوں کیا یہ سچ نہیں ہے۔"

"آپ تو خوامخواہ مجھے مغرور بنا رہے ہیں غلط تعریف کر کے۔" وہ ہنس دی اور ایک بار پھر اپنے ہاتھ کو غور سے دیکھنے لگی تھی۔

. ☆ .. ☆ .*

"آپ خوامخواہ مجھ پر مسلط کر رہی ہیں غلط فیصلے کو بھی اور ان محترمہ کو بھی۔"

عطیہ کی شادی سے نپٹ کر اماں نے محاذ کھول دیا تھا۔ شایان ان کی عدالت میں جھنجلاہٹ اور بے بسی کی عظیم کیفیت سے گزر رہا تھا۔

Scanned with CamScanner

"کچھ حاصل نہیں ہو گا اس بے جا ضد سے پلیز اب بھی وقت ہے اماں سوچ لیجیے۔"

"میں نے سوچ لیا ہے اچھی طرح۔ اب تمہاری باری ہے۔" وہ بے فکری سے ہاتھ ہلا کر بولیں۔

"اچھا فرض کریں۔ میں کسی اور جگہ شادی کرنا چاہتا ہوں تو کیا آپ میرا مطالبہ مان لیں گی؟" وہ دبے لفظوں میں کہہ گیا۔

اماں کے اندر گویا بھونچال برپا ہو گیا۔ آنکھیں غم و غصے سے پھٹ گئیں۔ منہ مارے استعجاب کے کھل گیا تھا۔

"اچھا تو یہ وجہ تھی میں بھی کہوں آخر کیوں انکار کر رہے ہو۔" وہ غضب کے آسمان پر جا پہنچیں۔

"تو یہ ہیں تمہارے ارادے۔ ارے اللہ کی مار ہو اس ڈائن پر بد بخت فاحشہ عورت میں تو اسے اس گھر میں قدم بھی نہ رکھنے دوں۔ کان کھول کر سن لو۔ یہاں الفت کے سوا کوئی عورت بہو بن کر نہیں آسکتی۔ نہ ماں سے لاج شرم نہ مرحوم باپ کے طے کردہ رشتے کا احساس۔ ارے لعنت ہو ایسی تعلیم پر جو بزرگوں کی نافرمانی اور بد کلامی سکھاتی ہے۔ ذرا بتاؤ تو مجھے، کون ہے وہ چڑیل کہہ دو اس ہوتی سوتی سے کہ میری ماں مر جائے گی تو تمہیں بیاہ کر لے جاؤں گا۔ اس کے جیتے جی ممکن نہیں ہے۔"

"اماں اماں پلیز، میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ میں تو ایک مفروضہ بتا کر آپ کی رائے معلوم کرنا چاہ رہا تھا۔"

شایان کے چھکے چھوٹ گئے تھے۔ ابھی تو اس نے محض فرض کرنے کو کہا تھا اور اتنی صلواتیں پڑی تھیں۔ اگر سچ مچ نام لے دیتا تو قیامت ہی آجاتی۔ اماں بک جھک کر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھپھک کر رو رہی تھیں۔ ناعمہ بھابھی ان کو چپ کرانے کی کوشش کرنے لگیں۔ سلمان بھائی سکھر میں ملازمت کرتے تھے سرکاری رہائش گاہ ملنے کے بعد وہ بیوی بچوں کو اماں کی اجازت سے وہیں لے گئے تھے۔ ان دنوں عطیہ کی شادی کے سلسلے میں آئے ہوئے تھے۔

"ارے یہ صلہ دیا ہے میری مامتا کا۔ اسی دن کے لیے اولاد کی خواہش کی تھی میں نے؟"

اماں کی دھاڑیں پڑوس سے خالدہ خالہ کو بھی ادھر کھینچ لائی تھیں۔ شایان کی دو بڑی شادی شدہ بہنیں بھی یہیں تھیں۔ اچھا خاصا تماشا بن گیا تھا۔

وہ بری طرح بوکھلا گیا۔

"اماں پلیز خاموش ہو جائیں۔" وہ ان کے قریب بیٹھ کر التجا کرنے لگا۔ "جو آپ چاہیں گی وہی ہو گا۔" وہ شکستگی سے گویا ہوا۔

"میری طرف سے کوئی انکار نہیں۔ جب چاہیں زینت خالہ کے ہاں جا کر تاریخ طے کر لیں۔ پلیز اب تو چپ ہو جائیں۔"

شایان کے منہ سے اقرار سننا تھا کہ اماں کی سسکیاں یکلخت رک گئیں۔ انہوں نے جھٹ برستی آنکھوں سے اسے گلے لگا کر پیشانی چوم لی۔

"ماں کی عزت اور خواہش کا احترام کیا ہے ناں۔ اللہ تیرا دل بھی ٹھنڈا رکھے گا۔ جیتا رہ میرے بچے۔"

وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح افسردہ قدموں سے منظر نامے سے نکل گیا تھا۔

خوشی اور خواہش کی روشنی دوپل کے مہمان کی طرح اس کی زندگی میں آئی تھی اور اسی تیز رفتاری سے چلی بھی گئی۔

اے دل اے نادان۔

سونا سونا کر گئے تجھ کو دو پل کے مہمان۔

حقیقتاً وادئ دل میں سونا پن چھا گیا تھا۔

خواہش اور اس کے پورا ہونے کی خوشی دوپل کے مہمان کی طرح ہی تو ہوتی ہے۔

وہ اپنے آپ کو وقت کی لہروں کے حوالے کرنے پر مجبور تھا۔

. ☆ .. ☆ .*

اماں نے نفسیاتی وار کر کے اس سے اپنی منوا تو لی تھی، مگر شایان نے بھی شادی کی تاریخ طے ہونے کے بعد دو ٹوک انہیں بتا دیا تھا۔

"میں آپ کی ضد اور خواہش کے احترام میں مجبوراً" اس آگ میں کود تو رہا ہوں لیکن یاد رکھیے گا اگر یہ آگ گل و گلزار میں تبدیل نہ ہوئی تو میں زیادہ دیر

Scanned with CamScanner

تک اس جہنم میں نہیں جل سکوں گا۔ آپ کو مجھ سے وعدہ کرنا ہے کہ میں آزادانہ فیصلہ کرنے کا مجاز ہوں گا۔ میں اپنی ساری عمر اس آگ میں نہیں جھونک سکتا۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔"

اماں بے نیازی سے سر ہلا کر بولیں۔ وہ بہت خوش تھیں اور اپنے تجربے کی بنا پر اس بات پر قائم تھیں کہ شادی کے بعد خود ہی میاں بیوی کے دل میں ایک دوسرے کے لیے گنجائش نکل آیا کرتی ہے۔ پھر ایک دو بچے ہو گئے تو خود ہی سدھر جائیں گے۔ اس لیے وہ بے فکر تھیں۔ ان کا خیال تھا ایسی نوبت آئے گی ہی نہیں۔ اس لیے نہایت لاپروائی سے شایان کی شرط پر سر ہلا دیا تھا۔ عطیہ کی شادی کے دو ماہ بعد اس کی شادی طے کی گئی تھی۔

وہ شادی کی رسموں میں اس طرح شریک ہوا جیسے اپنے جنازے کی رسومات مکمل کر رہا ہو۔ اس کا جی چاہتا تھا اس دنیا سے کہیں دور بھاگ جائے' جہاں اس کے دل کے ساتھ زبردستی نہ کی جائے۔

"کیا انجام ہو گا اس جبری شادی کا۔" ابھی سے شایان کے دل میں خدشات' واہموں' الجھنوں اور ذہنی تھکن نے ڈیرے جما لیے تھے۔

کیا یہی زندگی کی حقیقت ہے۔

بے رونق' بیزار کن' اختیار سے باہر' بے رنگ اور غیر دلچسپ زندگی کا منظر نامہ کتنا سپاٹ ہے۔

اس کے اندر ہمہ وقت جنگ ہوتی رہتی تھی۔ بے بسی کا احساس اس درجہ اعصاب پر سوار تھا کہ ہر مثبت عمل پس پردہ چلا گیا تھا۔

اس کی شادی میں نیا بڑے بھرپور انداز میں شریک ہوئی تھی۔

"مائنڈ نہ کیجیے گا شایان بھائی! میں آپ کے زخموں پر نمک نہیں چھڑک رہی۔ حقیقت میں آپ کی شادی کی خوشی میں یہ اہتمام کیا ہے۔ آپ بھی کچھ دیر کے لیے یہ بھلا دیجیے کہ یہ آپ کی پسند کی شادی نہیں ہے۔ یہ لمحے انجوائے کرنے کے لیے ہیں اور دوبارہ کبھی نہیں آئیں گے۔"

شایان کی شاکی نظروں کے جواب میں وہ بڑے خلوص اور خوش دلی سے گویا ہوئی تھی۔

وہ ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔

. ☆ .. ☆ .*

دلہن کو اس کے کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا۔ وہ دروازہ بند کر کے اس سے کمر ٹکا کر شکستہ دل کھڑا تھا۔

کیا کرے اور کیا نہ کرے۔

جی تو چاہتا تھا پلک جھپکتے میں منظر نامہ بدل جائے اور اس کا بیڈ جس پر رنگ و خوشبو میں بسا عروسی وجود اس کا منتظر تھا' خالی ہو جائے وہاں کوئی بھی نہ ہو یہ شادی' یہ ہنگامہ سب خواب کا حصہ بن جائے۔

"ایک سال تو دور کی بات ہے شادی کے چند دنوں بعد تم اسی ناپسندیدہ ہستی کے دیوانے ہو جاؤ گے۔ اسی طرح ہوتا ہے۔"

فاطمہ بھابھی نے اپنی ساس کے موقف کی بھرپور تائید کی تھی۔

"ہونہہ خام خیالی ہے ان کی۔" وہ سوچتے ہوئے سر جھٹکنے لگا۔ شادی جسمانی تعلق سے زیادہ ذہنی اور دلی قربت کا نام ہے اگر دل قریب نہ ہوں تو جسموں کی قربت محض وقتی جذباتیت اور ہوس بن کے رہ جاتی ہے۔

جب دل میں دوسرے کے لیے قبولیت اور آمادگی کے جذبات نہ ہوں تو انسان کیسے قریب آ سکتا ہے۔ کسی کے جسم پر قابض ہو جانے سے آپ اس کے دل میں جگہ نہیں بنا سکتے۔

وہ شدید اعصابی کھنچاؤ کا شکار تھا۔ لیکن بہرحال وہ دروازے سے ٹیک لگا کر تو ساری زندگی بسر نہیں کر سکتا تھا۔ مجبوراً" قدم بڑھاتے ہوئے بیڈ کی طرف آ گیا۔ شیروانی کے بٹن کھول کر الماری سے آرام دہ شلوار قمیض نکالی اور باتھ روم میں گھس گیا۔

چینج کر کے باہر آیا تو وہ ہنوز بیڈ پر اسی پوز میں بیٹھی ہوئی تھی۔

چونکہ دوپٹے کا گھونگھٹ نہیں بنایا گیا تھا۔ اس لیے اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح نمایاں تھا۔ بلاشبہ وہ ایک خوش شکل لڑکی تھی۔ سراہے جانے

Scanned with CamScanner

کے قابل تھی۔ حسن کے تمام تر ہتھیاروں سے لیس تھی مگر!

اس کی کسی ادا نے شایان کے دل پر وار نہیں کیا۔

"کپڑے بدل لو یوں کب تک بیٹھی رہو گی۔" اپنی آواز میں جاگتی ناگواری دبا کر وہ بمشکل تمام نارمل لہجے میں بولا۔ کوشش کے باوجود لہجے سے چھلکتی بیزاری الفت سے چھپی نہ رہ سکی تھی۔

وہ قدرے گھبرائے ہوئے انداز میں سہم کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ شایان پیشانی پر بل ڈال کر تکیہ درست کر کے اپنی جگہ پر دراز ہو گیا۔ اس نے لائٹ بجھا دی تھی۔

الفت باتھ روم میں بند ہو چکی تھی۔

شایان کمرے میں تیرتے فسوں خیز اندھیرے میں اپنے آپ سے جنگ میں مصروف تھا۔ الفت کے قرب کو دل قبول نہیں کر رہا تھا اور ضمیر کہہ رہا تھا۔

"الفت کا اس سارے قصے میں کیا قصور ہے۔ ظلم تو اماں نے کیا ہے۔ اس کا بدلہ الفت سے کیوں لوں۔ اسے اس کے حق سے محروم کرنا زیادتی کے مترادف ہے۔"

"اوہ خدایا۔ کس عذاب میں گرفتار ہو گیا ہوں۔" وہ مضطربانہ انداز میں اپنے سر کے بال مٹھی میں لے کر جھنجھوڑنے لگا۔

وہ سوچوں کی یلغار سے نبرد آزما ہونے میں اس درجہ مشغول تھا کہ الفت کے بستر پر دراز ہونے کا علم ہی نہ ہوا۔ جب چوڑیوں کی کھنک قریب سے کان میں پڑی تو ہڑبڑا کر خیالات کے دائرے سے باہر نکل آیا۔

کتنی ہی دیر وہ ساکت صامت اپنی جگہ پڑا رہا۔ پھر دل پر ضمیر کی آواز غالب آ گئی۔

وہ الفت کی طرف پلٹا اور ہاتھ بڑھا کر اسے خود سے قریب کر لیا۔

.☆..☆.*

شادی پر اس نے پندرہ دن کی چھٹی لی تھی۔ چھٹی ختم ہونے سے دو دن پہلے ہی اس نے رختِ سفر باندھ لیا۔

"اتنے عرصے سے میرا کمرہ بند پڑا ہے۔ گرد سے اٹ گیا ہو گا۔ اسے ٹھیک کرنا ہے۔ پھر جا کر ایک دن کا آرام بھی مل جائے گا۔"

اماں کے اصرار پر اس نے توجیہہ پیش کی تھی۔

"اے بیٹے! جب بیوی گھر آ گئی ہے تو تمہیں یہ زنانے کام کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ کل تک رک جاؤ۔ بہو بھی اپنا سامان تیار کر لے گی۔ اس کے ساتھ جانے سے تمہیں آرام رہے گا۔"

"میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔" اس کا لہجہ بے لچک تھا۔

"تو کیا بیوی کو ساتھ نہیں لے جائے گا؟" اماں پر حیرت کا دورہ پڑ گیا۔

"یہ یہیں آپ کے پاس رہے گی۔ آپ کی خدمت کرے گی۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"بھلا یہ کیا بات ہوئی۔" اماں بگڑنے لگیں۔ "تو وہاں اور دلہن یہاں سلمان بھی تو فاطمہ اور بچوں کو ساتھ لے کے گیا ہے۔"

"آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ آپ کی بہو آپ کے ساتھ رہ کر آپ کے کاموں میں ہاتھ بٹائے گی۔ آپ اپنی پسند سے اپنی خاطر ہی تو لائی تھیں۔ اب اپنے پاس ہی رکھیے۔"

وہ زہر پلا ہو رہا تھا۔

"ابھی تک تو بگڑا بیٹھا ہے؟" اماں اس کے سرد سپاٹ رویوں سے اچھنبے میں پڑ گئی تھیں۔ اس پر شادی کے بعد ان پندرہ دن کی رفاقت نے کوئی مثبت اثر نہیں دکھایا تھا۔ اس کے برعکس اس میں چڑچڑا پن سرد مہری اور لاتعلقی کے جراثیم تیزی سے پیدا ہو رہے تھے۔

بہرحال وہ بھی اماں جان تھیں۔ اس پر مسلسل دباؤ ڈالتی رہیں۔ جان چھڑانے کے لیے اسے دروغ گوئی سے کام لینا پڑا۔

"میں ٹیچرز ہاسٹل میں رہتا ہوں۔ وہاں اور مرد بھی رہتے ہیں۔ الفت کو کہاں رکھوں گا جب کوئی مناسب گھر مل جائے گا تو اسے لے جاؤں گا۔" اس کا بہانہ معقول تھا سو اماں کو اپنی ضد چھوڑنی پڑی۔

"چھٹی پر کب آؤ گے؟" اماں کو نیا سوال سوجھ

Scanned with CamScanner

گیا۔
"اب پہلے کی طرح مہینے دو مہینے بعد چکر نہیں لگانا۔ خیر سے بیوی والے ہو۔ کوشش کرنا ہر دوسرے ہفتے پھیرا مار لو۔"
"اب میں اتنا بھی فارغ نہیں بیٹھا کہ ایک چھٹی بسوں و یگنوں کے دھکے کھانے میں برباد کر دوں۔ مجھ سے اتنی دور سے روز روز نہیں آیا جاتا۔" وہ جھلا اٹھا۔
"اچھا بابا! جب جی چاہے آؤ' کاٹ کھانے کو کیوں دوڑتے ہو۔"
وہ چونکہ ان کی مان کر انہیں سرخرو کر چکا تھا۔ اس لیے اب انہیں اس کے روکھے پھیکے' ناراض رویے تنگ نہیں کرتے تھے۔
"اچھا میں جا رہا ہوں۔ یہ دروازہ بند کر لیجیے گا۔" وہ اپنا سفری بیگ کندھے پر لاد کر بد مزہ سا ہو کر باہر کی طرف بڑھا تھا۔
"ارے دلہن سے تو ملتے جاؤ۔ اس کا جی خراب ہو گا۔ جاؤ پہلے اس سے رخصت لے لو۔"
اماں دوپٹے کے پلو سے ہاتھ پونچھتی ہوئی شایان کے پیچھے لپکیں۔
جب وہ تیار ہو کر کمرے سے نکلا تھا تو الفت باتھ روم میں نہا رہی تھی۔
"مل لیا ہے۔ اسے پتا تو تھا کہ مجھے آج جانا ہے۔ مجھ سے یہ چونچلے نہیں ہوتے۔ اجازت دیں۔ ابھی خالدہ خالہ سے ملنے بھی جانا ہے۔"
"اچھا بچے! جہاں رہو خوش رہو۔" اماں نے پیار سے اس کی پیشانی چوم کر رخصت کیا۔
"اب ان دعاؤں کا کیا فائدہ اماں۔" اس کے لہجے میں پژمردگی کا دھواں تھا۔
جب وہ خالدہ خالہ کے گھر پہنچا تو سہ پہر کے تین بج رہے تھے۔ اپریل کا آغاز تھا۔ خوشگوار ہوا میں نرمی اور گرمی دونوں کا امتزاج تھا۔
نیا صحن میں تخت پر پھسکڑا مارے بیٹھی کچھ رٹ رہی تھی۔
"ارے آپ آئیے شایان بھائی۔"
اسے اندر آتے دیکھ کر وہ جھٹ استقبال کے لیے اٹھی تھی۔
"بھئی آج تو آپ وی آئی پی مہمان ہیں ہمارے۔ آخر شادی کے بعد پہلی مرتبہ "کوالیفائیڈ" پوزیشن میں ہمارے گھر آئے ہیں۔"
"کہاں کے وی آئی پی لڑکی!" وہ پھیکے انداز میں مسکرایا۔
"ہم تو دو پل کے مہمان ہیں۔ الوداع کہنے کو تمہارے در پر رک گئے تھے۔ اظہر اور خالدہ خالہ کہاں ہیں۔"
نیا نے غور سے دیکھا۔ وہ بہت بجھا بجھا اور شکستہ و ملول تھا۔ اس کے انداز سے تھکن برس رہی تھی۔ آنکھوں میں بے خوابی کی سرخی اور چہرے پر اداسی و ویرانی کے سائے رقصاں تھے۔
اسے دلی افسوس ہوا۔
ایک بہت اچھے' حساس اور مہربان شخص کے ساتھ اچھا نہیں ہوا تھا۔
"وہ دونوں تو بازار کے لیے نکلے ہیں۔ ابھی پندرہ بیس منٹ پہلے۔ آپ آئیں بیٹھیں ناں۔ میں آپ کے لیے چائے بناتی ہوں۔"
"نہیں اس تکلف کی ضرورت نہیں۔ میں ملتان جا رہا ہوں' سوچا تم لوگوں سے بھی ملتا چلوں۔"
شایان نے ایک طائرانہ نگاہ اس پر ڈالی۔ وہ دو مونگیا رنگ کے گھریلو سے لباس میں بالوں کی بکھری چوٹی لیے اس عام سے انداز میں بھی دلربائی کی ساری حدود چھو رہی تھی۔
سچ تو یہ ہے کہ انسان کا تعارف اس کے کپڑے نہیں اس کے چہرے پہ جھلکتی خود اعتمادی اور شان بے نیازی ہے۔ ایک پڑھی لکھی' مہذب اور پر اعتماد مختار لڑکی پینڈو لباس میں بھی پر وقار اور اسٹائلش ہی لگے گی۔ جبکہ ایک دیہاتی یا تہذیب و روایات سے عاری لڑکی مہنگے سے مہنگے لباس میں بھی اپنے بوکھلائے گھبرائے اور نروس رویوں کو ڈھانپنے یا چھپانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔
اور یہی فطرت کا عکس ہے جو ہزار پردوں میں بھی نمایاں ہو کے رہتا ہے۔

Scanned with CamScanner

"تم لاہور نہیں گئیں۔ تمہاری چھٹیاں تو غالباً" ختم ہو چکی ہیں۔"

"آپ یہ سوال تیسری مرتبہ مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔" وہ ہنس پڑی "اتنے غائب دماغ تو کبھی نہ تھے۔ میں نے لاہور سے واپسی پر ہی بتا دیا تھا کہ اب کلاسز ختم ہو چکی ہیں اور کالج میں ایگزامز کے لیے چھٹیاں دے دی گئی ہیں۔ ایک ماہ بعد ہمارے پیپرز ہیں۔"

"اوہ! ذہن سے نکل گیا۔" وہ دھیمے سے بڑبڑایا۔

"اوکے میں چلوں گا۔" وہ پلٹ گیا۔

"ایک منٹ شایان بھائی!" نیا کے بے تابانہ پکارنے پر وہ انہی قدموں سے واپس مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے شایان بھائی۔ آپ بہت پریشان اور ٹوٹے بکھرے لگ رہے ہیں۔ کیا مجھے نہیں بتائیں گے؟"

نیا کو اس سے دلی ہمدردی ہو رہی تھی۔

"بتانے کو کیا رکھا ہے نیا بی بی جو گزرتی تھی سو ہم پر گزر گئی۔" وہ ٹھنڈی سانس لے کر دلگرفتہ سا بولا۔

"تو کیا آپ واقعی اس شادی سے خوش نہیں ہیں؟" اس کے معصومانہ سوال پر شایان تاسف سے اس کی سمت دیکھنے لگا۔

"تم میرے خیالات کو مذاق سمجھ رہی تھیں؟"

"نن نہیں۔" وہ بوکھلائی "لیکن مجھے یہ موہوم سی امید ضرور تھی کہ ہو سکتا ہے۔ شادی کے بعد الفت بھابی کی رفاقت آپ کو خوشیوں سے مالا مال کر دے۔"

"رفاقت وہی پائیدار ہوتی ہے جو دل اور ذہن کی ہو جسمانی رفاقتیں دو پل کے مہمان کی طرح ہوتی ہیں جو مختصر سی مدت کے لیے آتے ہیں اور پھر پلک جھپکتے میں رخصت ہو جاتے ہیں۔"

وہ تفہیمی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"اوہ۔" نیا کو اس کی ناکام ازدواجی زندگی پر دلی رنج ہوا "یہ تو آپ کے ساتھ اچھا نہیں ہوا شایان بھائی۔ اماں کی زبردستی اور ضد کسی کام نہ آئی۔"

"یہی سمجھانا چاہا تھا اماں کو مگر خیر پچھتاووں کے لیے تو عمر پڑی ہے۔ اجازت دو۔ میں چلوں ورنہ لیٹ ہو جاؤں گا۔ ویسے تم سے اس مختصر سی گفتگو نے میری بڑی ڈھارس بندھائی ہے۔ بوجھل دماغ ہلکا محسوس ہونے لگا ہے۔" وہ ممنونیت سے اسے دیکھنے لگا۔

"خدا حافظ شایان بھائی۔" نیا نے بڑی پر خلوص مسکراہٹ سمیت اسے رخصت کیا تھا۔

. ☆ .. ☆ .*

شایان کی شادی کو آٹھ ماہ گزر چکے تھے۔

مگر حالات جوں کے توں تھے۔ کوئی ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا تھا جس میں دونوں میاں بیوی امن سکون سے مل بیٹھ کر خوش رہے ہوں۔ یہ نہیں تھا کہ الفت نے کوشش نہ کی تھی یا شایان جان بوجھ کر اس شادی کو ناکام ثابت کرنا چاہتا تھا۔

دونوں ہی پورے خلوص اور محنت سے اس بندھن کو نبھانے کے لیے اپنی ذمہ داریاں پوری کر رہے تھے اور ایک دوسرے کو خوش رکھنے کی اپنی سی بھرپور کوشش کرتے تھے۔

مگر کیا کیجئے کہ ان کی فطرت کے ستارے ایک دوسرے سے نہیں ملتے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کی ضد تھے۔ ہر لحاظ سے ندی کے دو کنارے تھے۔

الفت نمائش پسند اور گھمنڈی تھی۔ شایان سادگی پسند اور قانع' مالی لحاظ سے شایان کی فیملی الفت کی نسبت خاصی مضبوط پوزیشن میں تھی۔ الفت جب اپنے میکے جاتی تو سسرالی امارت اور شایان کی جاب کے بارے میں خوب ڈینگیں مارتی۔ شایان کی محبت و وارفتگی کی جھوٹی سچی داستانیں مسالا لگا کر بہنوں اور بھاوجوں کو سناتی۔ وہ کبھی غلطی سے بھی تعریف کر دیتا تو اپنے میکے میں اس کی چاہتوں کا ڈھنڈورا پیٹنے پہنچ جاتی۔ بھابیوں کو حسد کی آگ میں جلانے کے لیے شایان کی رفاقت میں گزرے لمحوں کی سنسنی خیز رپورٹ بلا جھجک مزے لے لے کر بتاتی۔ بھابیاں اور بہنیں ان نجی جملوں کو یادداشت میں محفوظ کر لیتیں اور جب بھی شایان اسے لینے یا چھوڑنے آتا تو وہی فقرے اس پر چست کرتے ہوئے اس سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگتیں۔ شایان کو الفت کے میکے کا کھلا ڈلا ماحول اور الفت کی زبان کی بے باکی سلگا کر رکھ دیتی

Scanned with CamScanner

تھی۔
"تمہیں شرم نہیں آتی اتنی نجی باتیں میکے والوں کو بتاتے ہوئے؟"
"اس میں شرم کی کیا بات ہے۔" وہ ڈھٹائی سے ہنس پڑتی۔
"لڑکی اپنی ماں بہنوں اور بھاوجوں سے ہی تو شیئر کرتی ہے۔ اس میں کیا پردہ سب کے ہاں اسی طرح ہوتا ہے۔ بلکہ اصرار سے پوچھتی ہیں میں نے ایسا کیا تو کیا برا کیا۔"
"مگر شرم و حیا بھی کسی چڑیا کا نام ہے۔" وہ بری طرح تپ جاتا۔
الفت سنی ان سنی کر دیتی۔
وہ دوسروں کی ٹوہ میں رہنے والی عورت تھی۔ آس پڑوس اور رشتہ داروں کے ہاں جاتی تو ان کے پوشیدہ معاملات کو خوب کرید کرید کر دریافت کرتی۔ پہلے ہمدرد بن کر کسی کی بہو' ساس' نند یا بیوی کی دلجوئی کرتی اور جب ایسی خواتین جذبات کے طوفان میں اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے اسے ہمراز بنا لیتیں تو الفت ایک کی دس لگا کر سارے محلے میں نشر کر دیتی تھی۔ اس کی فطرت ہی ایسی تھی۔ دوسروں کے معاملات میں خوامخواہ ٹانگ اڑانا اور ان کی کمزوریوں کا کھوج لگانا اس کی عادت میں شامل تھا۔ جبکہ شایان "جیو اور جینے دو" کے مقولے پر سختی سے عمل پیرا رہنے والا بندہ تھا۔ اسے الفت کی کن سوئیاں لینے کی روش سخت ناگوار گزرتی تھی۔ اس کی فتنہ پردازیوں کی بدولت آئے دن محلے کے کسی نہ کسی گھر میں لڑائی ہوتی رہتی تھی۔ بہو جلے دل کے پھپھولے الفت کے سامنے پھوڑتی تو الفت نہایت ہوشیاری سے ساری رپورٹ ساس کو پیش کر کے خود معصومیت سے الگ ہو جاتی۔ ایسے میں ان کے گھر میں چنگاریاں نہ پھوٹتیں تو اور کیا ہوتا۔
تنگ آ کر شایان اسے اپنے ساتھ ملتان لے گیا۔ مگر جگہ بدلنے سے فطرت تو نہیں بدلا کرتی۔ یہاں بھی سکون نہیں تھا۔
"یہ جو تیسرے فلور کے فلیٹ میں مسز آصف رہتی ہیں ناں۔ مت پوچھیں کیسی عورت ہے۔ توبہ بیوی سے زیادہ محبوبہ دکھائی دیتی ہے۔ صبح جب شوہر گھر سے نکلتا ہے تو بڑے ناز و ادا سے سیڑھیوں تک آ کے اسے رخصت کرتی ہے پھر گیلری سے کھڑی ہو کر ہاتھ ہلاتی رہتی ہے۔ دو بچے ہو گئے مگر اس کا دلہنا پنا نہ گیا روز بن سنور کے خوب میک اپ کر کے بال بنا کے شام کو میاں کا استقبال کرتی ہے۔ پھر دونوں میاں بیوی بچوں کو کسی نہ کسی طرح اپنے بیچ ٹکا کے موٹر بائیک پر سیر سپاٹے کے لیے نکل جاتے ہیں۔ اس کا میاں تو گھگو گھوڑا بنا رہتا ہے اس کے سامنے۔ غلاموں کی طرح اس کے ناز نخرے اٹھاتا ہے۔ توبہ ہے کیسے عجوبے ہوتے ہیں اس دنیا میں۔"
شایان بھنا کر قہر آلود نظروں سے اسے دیکھنے لگتا۔
"اس میں کون سی عجیب بات ہے۔ جن کے درمیان ذہنی ہم آہنگی اور پیار محبت ہو' وہ شادی کے سالوں بعد بھی نئے نویلے جوڑے کی طرح خوش و خرم رہتے ہیں۔ ظاہر ہے مسز آصف اور اس کے میاں کے تعلقات خوشگوار ہیں۔ وہ کیوں نہ گرمجوشی کا اظہار کریں گے اور رہی بات مسز آصف کے بننے سنورنے کی تو خدا نے صورت اچھی دی ہو' پہننے اوڑھنے کا سلیقہ ہو اور شوہر کی خوشنودی عزیز ہو تو بیوی کیوں نہ آرائش و زیبائش کرے۔ بیوی کے سنگھار پر پابندی تو نہیں ہے۔ تم بھی چاہو تو روز ایک سو ایک لباس بدل سکتی ہو۔"
"اونہہ ہم سے نہیں ہوتے یہ چونچلے۔" وہ نخوت سے سر جھٹکتی۔ "بس شادی کے شروع شروع میں یہ ہار سنگھار سجتے ہیں۔ اس کے بعد رات گئی بات گئی۔ بوڑھی گھوڑی لال لگام اور بچے ہو گئے تو کہاں کی آرائش اور خوش لباسی۔"
"اپنی ذاتی سوچ کو سب پر مسلط نہیں کرو۔ جو عورتیں عقل و فہم اور شعور رکھتی ہیں' وہ اپنے شوہر کی دلداری کے لیے یہی سب کچھ کرتی ہیں۔" اب تمہیں کون قائل کر سکتا ہے۔"
وہ تلخی سے اسے دیکھنے لگتا۔ شروع کے ایک آدھ ماہ تو خوب ٹپ ٹاپ میں رہی تھی مگر اب کوئی دیکھ کر

کہہ نہیں سکتا تھا کہ ابھی شادی کو ایک سال بھی پورا نہیں ہوا۔ سارے اچھے کپڑے صندوقوں میں بند ہو چکے تھے۔ زیور بھی بچی میں سنبھال کر تالہ لگا دیا تھا۔ جھاڑ جھنکاڑ بکھرے بال اور الٹے سیدھے پرنٹ کے ڈل کلرز کے کپڑوں میں جسمانی خوب صورتی اور کشش بالکل دب کے رہ گئی تھی۔ شایان کے بارہا ٹوکنے کے باوجود وہ لباس و آرائش پر توجہ نہیں دیتی تھی۔

"عجیب عورت ہو تم۔ تمہاری عمر کی لڑکیوں کو تو سجنے سنورنے سے فرصت نہیں ملتی اور تمہیں اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ ڈھنگ سے بال بنا کر کم از کم کپڑے ہی اچھے پہن لو۔" شایان چڑ کر کہتا تھا۔

وہ جتنا نفیس اور خوش ذوق تھا الفت اتنی ہی لاپروا اور کور ذوق تھی۔ اپنی آرائش و زیبائش تو کیا کرنی تھی گھر کی ڈیکوریشن اور سیٹنگ میں بھی کبھی دلچسپی نہیں لی تھی۔

"آپ کو پتا ہے۔ ہمارے ساتھ والے فلیٹ میں ایک عورت رہتی ہے بالکل اکیلی۔" اس کے پاس ہر روز ایک نئی سنسنی خیز داستان ہوتی تھی سنانے کے لیے۔

"کسی دفتر میں ملازمت کرتی ہے۔ اسے طلاق ہو چکی ہے' ہے ناں عجیب بات۔"

"اس میں عجیب بات کیا ہے۔" وہ جل کر بولا۔

"نہ طلاق کوئی ممنوعہ چیز ہے اور نہ اکیلے رہنا۔ تمہیں دوسروں کے معاملات میں دخل اندازی کی کیا ضرورت ہے۔ وہ جو بھی ہیں' اپنے لیے ہوں گے۔"

"ارے سنیں تو آج صبح اس سے کوئی ملنے آیا تھا۔" وہ آنکھیں پھیلا کر اسے متجسس ہونے پر مجبور کر رہی تھی۔ مگر شایان سخت بیزار ہو گیا۔

"تو کیا ہوا؟"

"لیں بھلا ایسی عورت شریف کہلا سکتی ہے جس کے پاس مرد آتے ہیں؟ توبہ توبہ۔"

"تم نے شرافت کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا الفت بیگم۔ شریف عورت تو دوسروں کی ٹوہ میں بھی نہیں رہتی۔ ادھر ادھر کی چغلیاں نہیں کھاتی دوسروں کی ذات کے بخیے نہیں ادھیڑتی اپنے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔" وہ طنزیہ بولا۔

"اور وہ مرد اس کا آفس کولیگ ہو سکتا ہے۔ اس کا کوئی رشتہ دار ہو سکتا ہے۔ وہ کسی کام کے لیے الیکٹریشن یا پلمبر کو بلوا سکتی ہے۔ ہزار مفروضے ہو سکتے ہیں۔ مگر جس طرح مکھی اچھی چیزوں کو چھوڑ کر گندگی پر ہی بیٹھتی ہے اسی طرح تمہاری گھٹیا ذہنیت بھی دوسروں کے اطوار میں عیب ہی ڈھونڈتی ہے۔"

اتفاق سے ایک دن ساتھ کے فلیٹ میں رہنے والی وہی طلاق یافتہ عورت ان کے گھر آ گئی۔

"ایکسکیوزمی جی۔ میرا نام زرینہ ہے۔ میں آپ کے پڑوس میں رہتی ہوں' میرا فون ڈیڈ ہو گیا ہے اور مجھے ایک بہت ضروری کال کرنی ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو آپ کا فون استعمال کر لوں؟"

"جی ضرور۔" شایان اسے اندر لے آیا تھا۔

اس نے نمبر ملایا اور کسی جمیل صاحب سے بات کرانے کو کہا۔ غالباً" اپنے آفس کے کسی بندے سے بات کر رہی تھی۔ شایان تو اسے لاؤنج میں چھوڑ کر بیڈ روم میں چلا گیا تھا مگر الفت اپنے تجسس اور فطرت کے باعث وہیں چپکی رہی۔ زرینہ کے جانے کے بعد حسب توقع وہ ایک سنسنی خیز رپورٹ بنا کر شایان کے پاس آئی تھی۔

"مجھ سے تو کہہ رہی تھی۔ دفتر فون کیا تھا مگر فون پر جو راز و نیاز ہوئے ہیں۔ اس سے میں نے بھانپ لیا' ضرور اپنے بوائے فرینڈ سے بات کر رہی ہے۔ چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ انداز میں شوخی اور نزاکت تو بہ کتنی گھنی عورت ہے۔ ایسے ہی لچھن ہوں گے جو خاوند نے طلاق دے دی۔"

"خدا کے واسطے کسی کو تو بخش دیا کرو۔ کیسی متجسس فطرت ہے تمہاری۔" اس نے دھاڑ کر الفت کو چپ کرا دیا تھا۔ وہ چاہتا تھا الفت اس سے زندگی کے رنگ بدلتے پہلوؤں پر بات کرے۔ معاشرے کے مثبت اور منفی رجحانات پر بحث مباحثہ ہو۔ انسانی جذبات و احساسات کے صد ہزار نکات تلاش کیے جائیں اور پھر دونوں اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر کے

Scanned with CamScanner

حاصل کلام کو کوئی نتیجہ خیز رنگ دیں ذہن و دل میں لگے جالے صاف ہو جائیں۔

مگر ان محترمہ کو ادھر ادھر کی غیبتیں کرنے سے فرصت نہیں تھی۔ شایان تنگ آ کر موضوع بدلنے کو کہتا تو وہ آس پڑوس چھوڑ کر اپنی بھابیوں' بہنوں اور دیگر رشتے داروں کے عیوب محاسن گنوانے لگتی۔

"بھئی اب کیوں ناراض ہو رہے ہیں۔ میں نے اس بلڈنگ کے لوگوں کی بات نہیں کی۔ کمال ہے خود ہی گپ شپ کے لیے کہتے ہیں اور پھر خود ہی بیزار بھی ہو جاتے ہیں۔" شایان کے تلملانے پر وہ سادگی سے استفسار کرتی تھی۔

وہ بھی کیا کرتی۔ وہ بھی اپنی فطرت سے مجبور تھی۔ اس کا ذہنی کینوس اتنا وسیع نہیں تھا کہ انسانی زندگی پر بات کرتی۔ پھر اس نے بچپن سے اپنے اردگرد یہی ماحول دیکھا تھا۔ خاندان کے بزرگ ہیں تو وہ اکٹھے ہو کر سر جوڑ کر دوسروں کی برائیاں کر رہے ہیں اور جوان نسل ہے تو وہ بھی ایک دوسرے کے خلاف منصوبہ بندی اور سازشوں کا جال بننے میں تیزی سے مصروف عمل ہے۔

شایان جیسی اعلا سوچ' بلند خیالی اور فکری نفاست وہ کہاں سے لاتی کہ وہ اپنی جگہ خود کو حق پر سمجھتی تھی۔

. ☆ .. ☆ .*

شایان کے اکثر اسٹوڈنٹس پڑھائی کے سلسلے میں مدد لینے کے لیے شام کو اس کے ہاں آتے تھے۔ ان میں لڑکیاں بھی شامل تھیں۔ شایان ہاسٹل سے کرایے کے فلیٹ میں منتقل ہوا تو اس نے انہیں یہاں کا ایڈریس دے دیا۔ الفت کو اس کے اسٹوڈنٹس خاص طور پر لڑکیوں کا آنا سخت ناگوار گزرتا تھا۔

کچھ عرصہ تو ضبط کیے خاموش رہی مگر پھر اس کے صبر کا پیمانہ چھلکنے لگا۔

"آخر کیا کرنے آتی ہیں یہ لڑکیاں روز روز جو سمجھنا سمجھانا ہوتا ہے۔ وہیں یونیورسٹی میں سمجھ لیا کریں۔ خدا جانے کیسے والدین ہیں جنہوں نے اپنی لڑکیوں کو شتر بے مہار چھوڑا ہوا ہے۔ آجاتی ہیں منہ اٹھا کر۔

آپ کو یوں دیکھتی ہیں جیسے نثار ہو رہی ہوں۔ میں اچھی طرح سمجھتی ہوں ان کے عشوے غمزے۔"

"شٹ اپ فضول بکواس مت کرو۔ شاگرد استاد کے لیے بچوں کی طرح ہوتے ہیں' وہ اپنی اسٹڈیز کے سلسلے میں یہاں آتی ہیں یوں ہر کسی پہ بے دھڑک الزام نہ لگا دیا کرو۔ خدا سے ڈرو۔"

اس کے خیالات بہت ارفع اور پاکیزہ تھے۔ وہ تو کبھی اپنی اسٹوڈنٹس سے ایسی گھٹیا بات کی توقع بھی نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہی خود اتنا گر سکتا تھا۔

شایان کا دل بری طرح اس سے متنفر ہو رہا تھا۔

ایک پر سکون اور خوشگوار ازدواجی زندگی کے تمام خواب چکنا چور ہو گئے تھے۔ ذہنی و فکری تصادم' فطرت کے تضاد اور آپس کی چخ چخ کا یہی عالم رہا تو ساری زندگی کیسے گزری گی۔

اسے تو بیتے ہوئے یہی چند ماہ اپنی زندگی کا بھیانک ترین حصہ لگ رہے تھے۔

کسی مقام پر بھی تو مفاہمت اور مصالحت کا عنصر سامنے نہیں آیا تھا۔

وہ سیر و تفریح کا شائق تھا اور ذہنی و جسمانی تھکن دور کرنے کے لیے کبھی کبھار آؤٹنگ اور ہوٹلنگ کر لیتا تھا مگر الفت کو گھومنا پھرنا پسند نہیں تھا۔

"بھئی! پارک میں چل پھر لینے سے کون سی تفریح ہاتھ لگے گی تو بہ۔" شایان کے بار بار اصرار کرنے پر وہ چڑ کر پوچھتی۔ کبھی وہ بہت موڈ میں ہوتا تو شام کو اسے خوش ہو کر آفر کرتا۔

"چلو آج مابدولت تمہیں ہالی ڈے ان میں ڈنر دیں گے۔ تیار ہو جاؤ پھر واپسی پر پارک میں چہل قدمی کریں گے۔ وہاں سے آئس کریم بھی کھائیں گے۔"

"اوہو بھئی کھانا ہی کھانا ہے تو میں گھر پر بنا دوں گی۔ بھلا ہوٹلوں میں لور لور پھرنے کی کیا ضرورت ہے۔" وہ اس کے جوش پر پانی پھیر دیتی۔

"مجھے تو ہوٹلوں' بازاروں میں کھانے پینے کا فیشن زہر لگتا ہے۔"

الفت اس کے اصرار پر مارے باندھے کبھی ڈنر کے لیے چلی بھی جاتی تو اپنی فطرت کے تحت اس کے

ہمراہ رہتے کسی راہ چلتے جوڑے پر پھبتی' کبھی کسی کے جوتے' کپڑے پر تنقیدی نظر' اردگرد آتے جاتے لوگوں کے انداز پر نخوت کا اظہار۔ یہ سب باتیں وہ شایان کو سناتی رہتی جو اس کا سارا موڈ غارت کر دیتی تھیں۔ کھانا آتا تو اس میں ایک ہزار کیڑے نکالتی۔ شاید یہ سب کچھ وہ اپنے اندر کے احساس کمتری کو دبانے کے لیے کرتی تھی۔

سکون کے چند لمحے بھی شایان کی گرفت میں نہ آتے۔

پارک میں آتے تو وہ دو قدم چل کر رک جاتی۔

"میں تو یہاں بینچ پر بیٹھ رہی ہوں۔ آپ بھلے سے گھومتے رہیں۔ بندہ پاگل لگتا ہے ادھر ادھر چکراتے ہوئے۔ بھلا یہ بھی کوئی تفریح ہے۔ توبہ لے کے ٹانگیں دکھادیں۔"

آہستہ آہستہ شایان نے اسے لے کر باہر جانا ہی چھوڑ دیا۔

کیا حاصل وصول تھا بھلا۔

کسی دوست یا کولیگ کی دعوت پر اسے ساتھ لے جاتا تو وہاں بھی اپنی فطرت دکھانے سے باز نہیں رہتی تھی۔ بہانے بہانے سے اپنی توقیر اور حیثیت جتانا اور کولیگ کی بیوی کی غیر محسوس انداز میں تذلیل کر کے کمینی سی خوشی حاصل کرنا الفت کو بہت اچھا لگتا تھا۔ یہی کچھ وہ گھر آئے مہمان سے کرتی تھی۔

اصل میں اس نے اپنے ماحول سے یہی کچھ سیکھا تھا۔

"کاش اس کو خاندان کے کسی اور شخص سے بیاہ دیا جاتا۔ جو اس کے رویے' انداز' بول چال اور حرکات و سکنات پر میری طرح گھڑی گھڑی نہ کڑھتا۔ بلکہ اس کے ساتھ خوش رہتا۔"

شایان جانتا تھا اس کے خاندان کے بیشتر مرد بھی ایسی ہی فطرت کے مالک تھے۔

اس سے سنی' اس کو جا کے سنادی۔ اپنے ملنے جلنے والوں سے اس طرح نخوت سے پیش آتے تھے۔ بات بات میں ان کی خامیاں جتاتے اور دوسروں کی غلطیاں پکڑ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ اپنے رشتے داروں کے معاملات میں دخل اندازی کرنا' ان پر نظر رکھنا ان کے محبوب مشاغل میں شامل تھا۔

اسے صاف لگ رہا تھا کہ اگر یہی صورت حال رہی تو دونوں زیادہ دیر تک ساتھ نہیں رہ سکتے تھے اس رفاقت نے اسے ذہنی تھکن' اعصابی بے چینی اور پریشانیاں ہی "تحفتاً" دی تھیں۔

. ☆ .. ☆ .*

"السلام علیکم۔"

"ارے نیا! تم بے وفا لڑکی میری یاد آ گئی تمہیں؟"

عطیہ آواز سنتے ہی پلٹی اور والہانہ اس سے لپٹ گئی۔

"تمہیں بھی تو مہینوں بعد میکہ یاد آتا ہے۔"

نیا اس کا ہاتھ تھام کر صحن میں رکھی چارپائی پر بیٹھ گئی۔

"کیا کر رہی ہو آج کل۔ بھئی شادی وادی کب کر رہی ہو۔ مجھے سخت اشتیاق ہو رہا ہے۔ اب تو شرم کو لو میری شادی کو سال ہو گیا ہے۔"

"ہو جائے گی شادی بھی۔" نیا آہستگی سے مسکرائی۔

"ابھی تو فی الحال ہاؤس جاب کر رہی ہوں دو ماہ پہلے ملتان کے ایک ہسپتال سے آفر آئی تھی۔"

"ہائیں تو تم آج کل ملتان میں ہو شایان بھائی سے ملیں؟" وہ بھی الفت بھابی کے ساتھ ملتان میں ہوتے ہیں؟" عطیہ مسرت سے چیخی۔

"اوہ ہاں اتفاق سے اتنی مصروفیت رہی کہ ان سے ملنے کا خیال ہی نہیں آیا۔ خیر تم مجھے ان کا ایڈریس دے دینا اب کی بار ضرور ملوں گی۔" نیا کو یاد آجانے پر افسوس ہوا کہ پہلے یہ خیال کیوں نہیں آیا۔

"شایان بھائی خوش ہیں ناں۔ کیسی گزر رہی ہے الفت بھابھی کے ساتھ۔"

"خبریں تو اچھی نہیں ہیں؟" عطیہ نے منہ لٹکایا۔

"اماں ایک ماہ رہ کے آئی ہیں ان کے پاس۔ دونوں میں سے کوئی بھی خوش نہیں دکھائی دیا۔ ہر وقت چخ چخ ہوتی رہتی ہے۔"

Scanned with CamScanner

"یہی ہوتا ہے بے جوڑ اور زبردستی کی شادی میں۔" نیا نے تاسف سے سر ہلایا۔

"اماں بتا رہی تھیں پچھلے دنوں تمہاری امی کے رشتے کی خالہ آئی ہوئی تھیں۔"

"جی ہاں اور انہوں نے نرالے گل کھلائے ہیں۔" نیا سخت برافروختہ ہوئی۔

"کیا ہوا؟"

"بھئی' ہوا یہ کہ ہم سب نے ان کی آمد پر روایتی مہمان نوازی سنبھالی' امی کا تو تمہیں پتا ہی ہے مہمان کے لیے اپنا دل نکال کر قدموں تلے بچھا دیتی ہیں۔ خالہ نے اس مہمان نوازی اور گرمجوشی کا الٹا ہی مطلب نکال لیا۔ واپس جا کر سب میں مشہور کر دیا کہ جی انہوں نے ہماری خوب آؤ بھگت کی۔ وہ تو جیسے اس بات کے منتظر تھے کہ خاندان میں سے کوئی رشتہ آئے۔ ان کا جواب اثبات میں ہے۔ وہ ہماری ہی وجہ سے دوسرے پروپوزلز پر توجہ نہیں دے رہے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔"

"اصل بات کیا تھی؟" عطیہ نے دریافت کیا۔

"ہمارے تو فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ وہ اپنے لائق فائق بیٹے توفیق کا رشتہ لے کے آئی ہیں۔ انہوں نے کون سا اطلاع دی تھی۔ تین چار روز بعد جانے سے ایک دن پہلے تذکرہ چھیڑا تو ہمیں ان کی آمد کا مقصد معلوم ہوا۔"

"کتنے شوباز اور نوٹنکی لوگ ہیں۔" عطیہ کو غصہ آ گیا۔

"اس کا تو مطلب ہے آج کے دور میں اب مہمان نوازی بھی جرم بن گئی ہے۔ جس سے ذرا اچھی طرح بات کر لو' اس کی ذات کو اہمیت دے دو وہی سر پر چڑھ جاتا ہے۔ اس سے تو بہتر ہے ایسے لوگوں کو ان کی اوقات پر ہی رکھا جائے۔ ان کا اتنا ظرف نہیں ہوتا کہ عزت اور قدر ہضم کر لیں۔ ویسے یہ خالہ پہلے کہاں سوئی ہوئی تھیں۔ اب اچانک انہیں رشتہ مانگنے کا کیسے خیال آ گیا؟"

نیا مسکرائی۔ "ڈاکٹر بہو کے دوہرے فوائد ہیں۔ گھر بھر کا علاج مفت اور باہر کی آمدن الگ بھلے سے اپنا کلینک کھول لے یا کسی سرکاری ہسپتال میں نوکری کر لے ٹھیک ٹھاک پیسے تو مل ہی جاتے ہیں۔"

"لڑکا کیا کرتا ہے۔" عطیہ نے سوچتی ہوئی نظروں سے نیا کی طرف دیکھا۔

"سول انجینئر ہے۔"

"ہے تو اچھا۔" عطیہ نے اس کی طرف تائیدی انداز میں دیکھا۔

"بھلے سے ہو گا۔" نیا نے کندھے اچکائے۔

"مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ موصوف کی امی نے جس طرح ہماری عزت افزائی کی ہے۔ وہ عبرت حاصل کرنے کے لیے بہت کافی ہے۔ ابھی "ہاں" بھی نہیں ہوئی اور موصوفہ کی خود پسندی' مبالغہ آرائی اور سطحی پن کا یہ عالم ہے۔ شادی کے بعد تو مجھے دونگے میں بیچ کھائیں گی میں ایسی جگہ شادی نہیں کر سکتی جہاں میری عزت نفس مجروح ہو۔"

"خالدہ خالہ کی کیا رائے ہے؟"

"پتا نہیں مجھ سے ابھی بات نہیں کی۔ یوں بھی ابھی مجھے ہاؤس جاب مکمل کرنا ہے۔ ظاہر ہے امی مجھ سے مشورہ لیے بغیر تو فیصلہ نہیں کر سکتیں۔"

"اس دھوکے میں نہ رہنا بچو خالہ اتنی دیر تک تمہیں کنوارا نہیں رکھیں گی۔ کم از کم بات تو ضرور طے کر دیں گی بھلے سے شادی ہاؤس جاب کے بعد کریں۔"

"بہرحال جو بھی ہو گا' مجھ سے پوچھ کر ہی ہو گا۔" نیا مطمئن تھی۔

. ☆ .. ☆ .*

"میں تم سے سخت خفا ہوں دو ماہ سے تم اس شہر میں ہو اور ہم سے آج مل رہی ہو۔ حد ہو گئی طوطا چشمی کی بلکہ آج بھی مجھے وارڈ میں نظر نہ آتیں تو ملاقات نا ممکن تھی۔"

شایان کا کولیگ ہسپتال میں ایڈمٹ تھا وہ اسے دیکھنے آیا تھا جب وارڈ میں اچانک ہی نیا سفید اوور آل میں اسٹیتھسکوپ لٹکائے مریضوں کو اٹینڈ کرتی نظر آئی تھی۔

Scanned with CamScanner

"آپ یقین کیجیے۔ میں ایک دو دن میں آپ کی طرف آنے والی تھی۔" وہ فارغ ہو کر شایان کو لیے عمارت سے باہر لابی میں آگئی تھی۔

"میں شرمندہ ہوں شایان بھائی! دیکھیے اب غصہ تھوک دیجیے یہ بتائیے بھابی کیسی ہیں؟" وہ بصد منت اسے منانے میں کامیاب ہوئی تھی۔

"جیسی پہلے تھیں۔ ایک انچ بھی اپنی پوزیشن سے ادھر ادھر نہیں کھسکیں۔" شایان نے شگفتہ پیرائے میں طنز کیا۔

"خیر اب تم میرے ساتھ چل رہی ہو۔ خود ہی دیکھ لینا۔"

"ابھی۔" نیا متذبذب ہو گئی۔ "اصل میں میری ڈیوٹی ہے۔ شایان بھائی ایسا کرتی ہوں، کل آجاؤں گی ویسے بھی اتوار ہے چھٹی کا دن ہے۔"

"چلو ٹھیک ہے۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا مگر تم خود نہ آنا میں پک کر لوں گا، ہاسٹل کا روم نمبر لکھوا دو مجھے، تم کہاں میرا فلیٹ ڈھونڈتی پھرو گی۔"

شایان اس کی تکلیف کے خیال سے بولا۔ نیا نے ممنونیت سے اسے دیکھا تھا۔

گھر جاتے ہی اس نے جوش و خروش کے عالم میں الفت کو اطلاع دی تھی۔

"اچھا۔" الفت نے کسی خاص التفات کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اس کا چہرہ سپاٹ ہی تھا۔ نیا کا مزاج اس سے میل نہیں کھاتا تھا۔ دونوں کی دلچسپیاں جدا تھیں۔ اس لیے الفت کو کیا خوشی ہوتی۔ یوں بھی جتنی دفعہ وہ نیا سے ملی تھی اسے بوریت اور کوفت ہی اٹھانا پڑی تھی۔

بھلا جو لڑکی اردگرد کے واقعات میں دلچسپی نہ رکھتی ہو۔ لوگوں کی ذات پر بات کرنے سے کتراتی ہو۔ دوسروں کے بارے میں جاننے کے لیے تجسس نہ رکھتی ہو وہ الفت کے لیے کس کام کی تھی۔

"ایسا کریں گے دوپہر کا لنچ تو گھر پر کریں گے اس کے بعد شام کو آؤٹنگ پر چلیں گے۔ گھومیں پھریں گے اور رات کا کھانا کسی اچھے سے ہوٹل میں کھائیں گے۔" بڑی مدت کے بعد شایان اپنی ترنگ میں آیا تھا۔

"دیکھو اب خوامخواہ منہ نہ سجا کر بیٹھ جانا۔ وہ مہمان ہے ہماری۔ اس شہر میں اجنبی ہے۔ گھومے پھرے گی تو یہاں کے روٹ سمجھ میں آجائیں گے۔"

شایان کو پتا تھا آؤٹنگ اور ہوٹلنگ کے نام پر الفت کا موڈ خراب ہو جائے گا اس لیے پیش بندی کے طور پر پہلے ہی وضاحت کر دی۔

الفت کے چہرے پر ناگواری تھی تاہم چپ رہی۔

اگلے دن نیا ان کے گھر میں تھی۔ شایان کو آج کا دن بڑا اجلا اور چمکدار لگ رہا تھا۔ ورنہ ہر تعطیل پر گھر کے در و دیوار کاٹ کھانے کو دوڑتے تھے۔ دن گزرنے میں ہی نہیں آتا تھا۔

"تم نے ایم بی بی ایس پاس کر لیا اور مٹھائی بھی نہیں کھلائی بھئی میں باقاعدہ احتجاج کرتا ہوں۔"

"کھا لیجیے گا۔ مٹھائی آپ سے زیادہ اہم تو نہیں ہے۔" نیا نے اس کا مان رکھتے ہوئے محبت سے کہا۔

الفت نے چونک کر نیا کی شکل دیکھی تھی۔ اسے یہ بات بری طرح چبھنے لگی۔ اس نے شایان کی طرف نگاہ کی۔ وہ خلاف معمول آج بہت چہک رہا تھا۔

اس نے جب بھی اماں کے ہاں نیا اور شایان کو آپس میں ہنستے بولتے دیکھا تھا سلگ کے رہ گئی تھی۔

شایان جس طرح اس لڑکی پر خصوصی توجہ دیتا تھا، اس کا خیال رکھتا تھا، اس سے نرمی و اپنائیت سے بات کرتا تھا وہ الفت کی شکی ذہنیت کو تقویت دینے کے لیے بہت کافی تھا۔

نیا کے آتے ہی وہ پس منظر میں چلی جاتی تھی۔

اس وقت بھی وہ اور شایان آپس میں کسی بحث میں الجھے ہوئے تھے۔ دونوں بڑے مگن تھے۔

"بھائی! آپ بھی تو بولیے ناں۔" نیا نے بار بار اسے گفتگو میں شامل کرنے کی کوشش کی تھی۔

"نہیں۔ آپ دونوں کافی ہیں۔" وہ سرد مہری سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ نیا کو محسوس تو ہوا مگر وہ نظر انداز کر گئی۔

"ارے نہیں بھئی۔ آپ کی سوچ اور نظریے کی اپنی ایک اہمیت ہے۔ تبادلہ خیال کرتے رہنا چاہیے۔

اس سے ذہن کے بند دروازے کھلنے لگتے ہیں۔" وہ اخلاص سے مسکرائی۔

"میں ذرا ہانڈی دیکھ لوں۔" الفت بہانے سے ٹال کر اٹھ گئی تھی۔ آؤٹنگ کے دوران بھی وہ خاصی چپ چپ تھی۔ آج تو آس پاس کے لوگوں پر تنقیدی تبصرہ بھی نشر نہیں کر رہی تھی۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ تبصرہ سننے والا آج نیا کے ساتھ جانے کون سی گتھیاں سلجھا رہا تھا۔

"بھابی! آپ کو شاید ہماری باتیں بور لگ رہی ہیں۔" نیا بار بار اس کے سرد سپاٹ چہرے سے چھلکتی بیزاری محسوس کر کے اسے اپنے ساتھ شامل کرنے کی سعی کر رہی تھی۔

"کوئی بات نہیں۔" وہ آہستگی سے بولی۔ "شایان کو تو اچھی لگ رہی ہیں۔"

نیا اس کے لہجے کی غیر محسوس کاٹ محسوس کر چکی تھی۔ اس کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

ڈنر کے بعد شایان نے اسے ہاسٹل میں ڈراپ کیا اور آتے جاتے رہنے کی پر زور تاکید کی۔

مگر نیا خود ہی محتاط ہو گئی۔ وجہ الفت کے تیور تھے۔

وہ دوبارہ ادھر نہیں گئی۔ شایان لینے آیا تو مصروفیت کا بہانہ کر دیا۔ شایان ہر تیسرے دن ہسپتال کے پاس سے گزرتے ہوئے اس کی خیریت دریافت کرنے کو منٹ دو منٹ کو ضرور رکتا تھا۔ گویا اس کی خبر گیری رکھنا اس کی ذمہ داری میں شامل تھا۔ نیا اس کی اپنائیت کے مظاہرے پر اشکبار ہو جاتی تھی۔ آج کے دور میں کون کسی کی خیر رکھتا ہے۔ وہ دوبارہ الفت کے گھر نہیں جانا چاہتی تھی، مگر اگلی بار اس کا کوئی بہانہ نہیں چلا اور شایان زبردستی اسے لے گیا۔

"کتنے افسوس کی بات ہے۔ میرے گھر آنے کو تمہارا دل نہیں چاہتا۔ میرے یعنی شایان احمد کے گھر۔" وہ سخت شاکی تھا۔

"یہ بات نہیں ہے شایان بھائی۔" وہ نظر چرا جاتی۔ نجانے کیوں اسے محسوس ہوتا تھا جیسے الفت اسے ناپسند کرتی ہے۔ جب وہ شایان کے ساتھ بات کر رہی ہوتی تھی تو الفت کی آنکھوں میں چنگاریاں سی بھر جاتی تھیں۔

نیا کو اپنی عزت نفس عزیز تھی۔ وہ کوئی تماشہ نہیں بننا چاہتی تھی مگر قدرت کو یہی منظور تھا۔

. ☆ .. ☆ .*

اس دن اتفاق سے اسے چھٹی مل گئی تھی۔ ہسپتال میں سینئر ڈاکٹرز نے ہڑتال کر دی تھی۔ پیرا میڈیکل اسٹاف بھی ان کے ماتحتی میں تھا سو ان کے کہنے پر سب ڈیوٹی پر نہیں آئے۔

نیا کو ڈاکٹرز کے احتجاجی مظاہروں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اس نے خود کو یونین کے دھندوں سے دور ہی رکھا تھا۔

"کیا کروں؟" سوچتے سوچتے یہی سرا ہاتھ آیا کہ شایان بھائی کے ہاں دن گزارا جائے۔ وہی اس شہر میں اس کے شناسا بھی تھے، رشتے دار بھی تھے اور اپنے بھی پہنچتے پہنچتے اسے بارہ بج گئے۔ شایان ڈیڑھ بجے آجاتا تھا۔

"السلام علیکم بھابی۔"

دروازہ کھولنے پر وہ ملنساری سے مسکرائی تھی۔

مگر جواب میں الفت کا چہرہ سلیٹ کی طرح صاف رہا۔ اس پر خوش آمدید کا کوئی جذبہ تحریر نہیں تھا۔

"کیا بات ہے؟" نیا اس کے کرخت اور اکل کھرے لہجے پر سٹپٹا گئی۔

"شایان بھائی نہیں آئے ابھی؟" وہ گھبرا سی گئی تھی الفت کے تیوروں سے۔

"تمہیں ہی پتا ہو گا۔ ساری خبریں رکھتی ہو۔" وہ تڑخ کر بولی۔

"میں چلتی ہوں۔" اس کی ہتھیلیوں پر پسینہ اتر آیا تھا۔ ذلت کا احساس سوا ہو رہا تھا۔

"کیوں؟" الفت نے ٹیڑھی نظروں سے دیکھا۔ "اب آ ہی گئی ہو تو مل کر جانا۔ مجھے سمجھ میں نہیں آتا کنواری لڑکیوں کو کیا چسکا ہوتا ہے شادی شدہ مردوں کے پیچھے خوار ہونے کا۔"

"کیا؟" اسے لگا جیسے پوری بلڈنگ اس پر آ رہی ہو آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھا گیا تھا۔ دماغ میں جیسے گولہ باری ہو رہی تھی۔

Scanned with CamScanner

"آ آپ نے کیا سمجھ کر ایسی بات کہی۔ اتنی نیچ اور گھٹیا۔" وہ روہانسی ہو گئی۔ ذلت، توہین، شرمندگی اور دکھ کے بھاری پتھر اس کی خودداری کو پاش پاش کر رہے تھے۔

"آپ کو شرم آنی چاہیے۔" شدت رنج سے اس کی آواز پھٹ سی گئی۔

اسی لمحے الفت کے پیچھے شایان کا چہرہ ابھرا تھا۔ نیا نے صرف ایک ثانیے کو اس کا چہرہ دیکھا تھا جہاں غیض و غضب کا سرخ الاؤ دہک رہا تھا۔ غالباً" وہ سب کچھ سن چکا تھا۔ آج وہ خلاف معمول جلدی واپس آ گیا تھا جب بیل بجی تو باتھ روم میں تھا۔ مگر باتھ روم اتنا دور نہیں تھا کہ دروازے پر ہونے والی گفتگو نہ سنی جاتی۔

"الفت۔" وہ دانت پیستے ہوئے غرایا اور ایک جھٹکے سے اس کا بازو پکڑ کر سائیڈ پر کرتے ہوئے نیا سے مخاطب ہوا۔

"تم اندر آؤ نیا! اس سے تو میں ابھی نپٹ لیتا ہوں۔ اس کی عادت ہے اس طرح بولنے کی۔ تم دل پر نہ لو۔ رشتہ اعتبار کا ہوتا ہے اور یہ اس احساس سے نابلد ہے۔ تم اندر آؤ۔"

"نہیں۔" نیا کے لبوں سے سسکی سی برآمد ہوئی اور وہ ہونٹ کاٹتی ہوئی آنسوؤں سے بھری آنکھوں سمیت ایک دم واپس مڑی اور اندھا دھند سیڑھیاں اترتی چلی گئی۔

شایان ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر اس کے پیچھے لپکا۔ آخری سیڑھیوں پر اسے جالیا۔

"نیا پلیز میری بات سنو۔" اس نے جلدی سے اس کا بازو تھام کر اسے روکا تھا۔

"مجھے جانے دیں اور میرا بازو چھوڑیں۔" وہ آنسوؤں سے بھیگے ہوئے اجنبی لہجے میں بولی "میں اپنا تماشہ نہیں بنوانا چاہتی۔ آپ کی مسز آ گئیں تو نیا طوفان کھڑا کر دیں گی۔ میں ہی غلط تھی محض اپنے خلوص میں ماری گئی۔"

وہ سختی سے اپنا ہاتھ چھڑا رہی تھی۔

"جہنم میں جائے مسز۔ مائی فٹ۔ چلو آؤ تم میرے ساتھ۔ آرام سے بات کرتے ہیں۔" وہ اس وقت بپھرا ہوا تھا۔ دو قدم پر پارکنگ لاٹ تھا۔ اتفاق سے گاڑی کی چابی اس کی پاکٹ میں تھی۔ بجلی کی سی رفتار سے اسے ہمراہ لیے گاڑی تک پہنچا اور اگلے لمحے اسے بٹھا کر گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا۔

دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ شایان ریش ڈرائیونگ کرتا ہوا خاموشی سے اس کا رونا دیکھ رہا تھا۔ ایک سنسان سی جگہ پر گاڑی روک کر وہ اس کی سمت مڑا۔

"تم جانتی ہو میں تمہارے آنسو نہیں دیکھ سکتا۔ پھر بھی مجھے تکلیف دے رہی ہو۔" شایان نے دکھی لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ ساتھ ہی ——— ٹشو پیپر کے ڈبے سے ٹشو نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

"یہ لو، پہلے اپنے آنسو صاف کرو۔" شایان نے ٹشو پیپر اس کے ہاتھ میں تھمایا۔ نیا اپنی بے اختیاری پر قابو پا کر چہرہ صاف کرنے لگی۔

"اگر راہ چلتا کوئی پاگل آپ کو پتھر مار کر دوڑ جائے تو کیا آپ اس کے پیچھے جائیں گے؟ اگر گلی میں بھونکتا ہوا کوئی کتا آپ کو کاٹ لے تو کیا آپ بھی جواباً" اسے کاٹیں گے؟ اگر کوئی کمینہ آپ کو گالی بک دے تو کیا آپ بھی جواب میں اسے گالی دے کر اپنی زبان ناپاک کریں گے؟ بولو کیا ایسی تمام سچویشن میں ایک عقل مند اور میچیور شخص بردباری سے کام نہیں لے گا؟ یقیناً ایسا ہی ہو گا؟ تمہیں ماننا پڑے گا کہ تم نہ عقل مند ہو اور نہ میچیور۔"

کس قدر خوب صورت اور جامع انداز تھا وضاحت کا، سمجھانے کا اور سرزنش کرنے کا۔

نیا کے آنسو خود بخود رک گئے۔

"سوری۔" اس نے دھیمے سے لہجے میں کہتے ہوئے اپنی سرخی مائل روئی روئی آنکھوں سے شایان کی سمت دیکھا۔

ان آنکھوں میں جانے کیا تھا۔

شایان کا دل ڈول گیا۔ نظروں کے اس تصادم نے نیا کو بھی عجیب سے احساس سے روشناس کیا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس نے جلدی سے

Scanned with CamScanner

آنکھوں پر پلکوں کا غلاف ڈال دیا تھا۔ شایان نے ایک گہری سانس لی اور ونڈ اسکرین کے سامنے دیکھنے لگا۔

"یہ فیصلہ تو میں شادی کے شروع کے دنوں میں ہی کر چکا تھا مگر عملدر آمد کے لیے اماں سے طے کی ہوئی مدت تک صبر کرنا چاہتا تھا۔ تاکہ مجھ پر جلد بازی کا الزام نہ لگے۔ میں نے الفت کو بہت چانس دیے تھے۔ مگر اس نے سارے مواقع گنوا دیے شاید ابھی ایک آدھ ماہ تک میں مزید غور و خوض کرتا مگر اس کا آج کا رویہ تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے کا سبب بن گیا ہے۔ کم از کم آج کے واقعے کا ایک فائدہ تو ہوا کہ میں کشمکش سے نکل کر فیصلے کی سرحدوں پر آ کھڑا ہوا ہوں۔ اب فیصلے کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہی۔ میں اس پر ظلم نہیں کروں گا۔ ظلم تو اپنی جان پر اس نے خود کیا ہے۔ میں نے تو مفاہمت اور مصالحت کی ہر راہ کھلی رکھی تھی۔"

"میں آپ کی باتوں کا مطلب نہیں سمجھی۔" نیا پریشان ہو رہی تھی۔

"بہت جلد سمجھ جاؤ گی مختصراً یہ کہ الفت والا باب عنقریب میری زندگی کی کتاب سے حذف ہو جائے گا۔ میں اس زبردستی کے بندھن سے نجات حاصل کرنے والا ہوں۔"

"تو کیا آپ بھابھی کو طلاق دے رہے ہیں؟" نیا کی آنکھوں میں خوف تیرنے لگا۔

"اسے طلاق نہ کہو۔ آزادی سے جینے کا حق کہو۔ یہ ظلم نہیں کرم ہے، ہم دونوں کے لیے ہم ایک دوسرے کی قید میں محبوس زندگی گزارتے رہے ہیں اب تک۔ دو مختلف فطرتوں کو جبر سے باندھ کر یک رنگی کی آس لگائی گئی تھی۔ ایسا بھلا کیسے ہو سکتا تھا۔"

"آپ پلیز ایسا نہ کریں۔ میری وجہ سے آپ کی ازدواجی زندگی میں دراڑیں یہ میں کبھی برداشت نہیں کر سکتی۔ اگر الفت بھابی مجھے پسند نہیں کرتی ہیں تو کوئی بات نہیں میں دوبارہ آپ سے نہیں ملوں گی مگر۔"

"بے وقوف لڑکی کوئی کسی خاطر اپنی زندگی برباد نہیں کرتا۔ تم خوامخواہ احساس جرم کا شکار نہ ہو یہ فیصلہ تو میں کئی ماہ پہلے کر چکا تھا۔ میں کچھ عرصے سے باقاعدگی سے اپنی یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات کے پروفیسر ذکی الدین کی صحبت میں بیٹھ کر طلاق اور قانون ازدواج پر گھنٹوں ان سے تفصیلات معلوم کرتا رہا ہوں۔ اس سے پہلے مجھے ہر بار فیصلہ کرتے ہوئے یہی ہچکچاہٹ رہتی تھی کہ میں انجانے میں الفت پر ظلم نہ کروں۔ لیکن اب اسلامی فقہ کی روشنی میں یہ فیصلہ میرے لیے آسان ہو گیا ہے۔" وہ بہت مطمئن اور شانت لگ رہا تھا۔

"کیا مطلب؟"

"نیا! میں نے جانا ہے کہ بنی نوع انسان جو اندھیرے میں بھٹک رہا ہے اس کا واحد سبب اسلام سے دوری ہے۔ ہمارے مذہب نے ہمارے لیے اتنی آسانیاں رکھی ہیں کہ جس کے بارے میں ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ اسلام کا بہت بڑا امتیازی وصف یہ ہے کہ یہ انسانی فطرت کے خلاف نہیں لڑتا اور نہ اس میں کوئی ترمیم و تنسیخ چاہتا ہے بلکہ وہ انسان کے لیے وہی کچھ تجویز کرتا ہے جو اس سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔"

وہ بڑے مطمئن انداز میں اپنے تاثرات بتا رہا تھا۔ دونوں ہی حسب سابق موضوع کے پیچ و خم میں محو ہو کر اپنے گرد و نواح سے غافل ہو گئے تھے۔

"پروفیسر ذکی الدین نے اسلامی نقطۂ نظر سے ازدواجی رشتے کی تشریح کرتے ہوئے بتایا کہ اس کی مضبوطی کا انحصار متعلقہ افراد کے درمیان پائی جانے والی شخصیت، نفسیاتی، ذہنی اور جسمانی ہم آہنگی پر ہے۔ سنگین نوعیت کے کشیدہ ازدواجی تعلقات کے دوام کو اسلامی قانون پسند نہیں کرتا۔ اگر میاں اور بیوی کی فطرت میں کوئی ایسا اختلاف ہے کہ آپس میں مل ہی نہیں سکتے اور باوجود خواہش کے مصالحت نہیں کر سکتے تو اس صورت میں دونوں کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں۔"

"گویا آپ علیحدگی اختیار کرنا چاہتے ہیں۔" نیا نے گہری سانس لے کر اس کی سمت مستفسرانہ نظروں سے دیکھا۔

"لیکن یہ اتنا آسان نہیں ہے شایان بھائی! اماں طوفان اٹھادیں گی اور آپ کے خاندان والے کیا کہیں گے۔ آپ کے حلقہ احباب میں چہ میگوئیاں پھیل جائیں گی۔" وہ اسے احساس دلا رہی تھی۔

"سب کچھ اپنی جگہ بجا سہی مگر ان ساری باتوں سے زیادہ اہم وہ مقصد ہے جس کے لیے شادی کی جاتی ہے۔ مرد عورت کے درمیان محبت' افہام و تفہیم اور ہمدردانہ تعاون عائلی زندگی کی اساس قرار دیے جاتے ہیں اور ہم ان تینوں چیزوں سے محروم ہیں۔ ایسے بندھن کو دیر تک نبھانا ممکن ہی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ فطرت کے خلاف ہے۔"

"کیا مفاہمت کی کوئی راہ نہیں نکلتی۔" نیا نے بے چارگی سے اس کی سمت دیکھا۔ "طلاق تو بڑا خوفناک لفظ ہے۔ سنتے ہی کلیجہ کانپ جاتا ہے۔"

نیا نے جھرجھری سی لی۔

"اس میں قصور تحریک نسواں کی نام نہاد رہنماؤں کا ہے۔ جنہوں نے واویلا مچا کر اسے اس درجہ سفاک اور وحشت انگیز بنا دیا ہے۔ وگرنہ سوچو خداوند کریم نے اسے ناپسندیدہ قرار دینے کے باوجود جائز کیوں قرار دیا ہے۔ آخر اس کا کوئی تو مقصد ہے جو اسلام میں طلاق کے قوانین جاری کیے گئے ہیں۔" شایان نے اس کی سمت دیکھ کر کہا۔

"طلاق اتنا گھناؤنا فعل نہیں ہے جتنا حقوق نسواں کے دعویداروں نے اسے بنا دیا ہے۔ بلکہ وہ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ حق چھین لیا جائے۔ لیکن ان سے پوچھنا چاہیے کہ نتیجے میں پیدا ہونے والی اس بھیانک صورت کا کیا تدارک ہوگا جس کی ایک مثال ہمیں ان رومن کیتھولک ممالک میں ملتی ہے جہاں طلاق قطعاً" ممنوع ہے"

گاڑی پر دھوپ پڑنے لگی تھی۔ شایان نے اس جگہ سے گاڑی ہٹا دی۔

"دو بج رہے ہیں مجھے تو زوروں کی بھوک لگ رہی ہے اور یقیناً تم بھی بھوکی ہو گی۔ چلو پہلے کسی ریسٹورنٹ میں چل کر لنچ کرتے ہیں۔"

شایان نے گاڑی روکنے کے بجائے اس کا رخ ہوٹل کی طرف کر دیا تھا۔

"ہاں تو میں مثال سے یہ واضح کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اگر معاشرے میں شادی کو ایک دائمی اور ناقابل انقطاع رشتہ قرار دیا جائے جہاں طلاق کا قانون رائج نہ ہو تو ذرا اس میاں بیوی کے حشر کا تصور کرو جو ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کے بھی روادار نہیں ہیں۔ ہر وقت آپس میں جھگڑتے رہتے ہیں' بری طرح ایک دوسرے سے متنفر ہیں مگر وہ اکٹھے رہنے پر مجبور ہیں۔ کیا ایسی صورت میں اخلاقی جرائم جنم نہیں لیں گے؟ ظاہر ہے خاوند بلکہ بیوی بھی گھر سے باہر تسکین کے ذرائع ڈھونڈ لیں گے۔ ایسے تاریک' بیمار اور نفرت زدہ ماحول میں بچوں کی صحیح پرورش ہونا بھی ناممکن ہے۔" وہ دوبارہ اپنی گفتگو کا سلسلہ جوڑ چکا تھا۔

"خود ہی انصاف سے مجھے بتاؤ کہ ایسے حالات میں اگر طلاق کے قانون کا اطلاق نہ کیا جاتا تو ہمارے معاشرے کی صورت کتنی بھیانک' بدہیت اور عبرت ناک ہوتی۔ کہیں بیوی اپنے خاوند سے نجات پانے کے لیے اسے قتل کر دیتی تو کہیں خاوند بیوی سے نفرت کے اظہار کے طور پر اسے ہلاک کر ڈالتا۔ ان رومن کیتھولک ممالک کی طرح ہمارے یہاں بھی خانگی جرائم میں ریکارڈ اضافہ ہو جاتا۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ خدا کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔ اسلام انسانی فطرت کے ہر ہر پہلو پر گہری نظر رکھتا ہے۔" شایان بہت سنجیدگی اور گہرائی سے اپنی معلومات کا نچوڑ پیش کر رہا تھا۔

"اصل میں ہم نے بہت سی ایسی فرسودہ روایات کو اپنے سینے سے لگا رکھا ہے جو کسی اعتبار سے بھی اسلامی اقدار کا حصہ نہیں ہیں۔ ہمارے یہاں کی عورتوں کو ہندوانہ ذہنیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے شادی کے وقت یہ باور کرایا جاتا ہے کہ سرخ جوڑا پہن کے نکلی ہو تو اب سفید کفن میں ہی اس گھر سے نکلنا۔ گویا اس کے ذہن میں یہ انجیکٹ کیا جاتا ہے کہ مرتی مر جاؤ' بھلے سے سسرال میں جوتیاں کھاؤ' عزت نفس سے ہاتھ دھو بیٹھو' خاوند تم پر سوکن لے آئے' تمہیں مارے دھتکارے مگر تم اس کی دہلیز نہیں چھوڑنا۔"

Scanned with CamScanner

وہ ہوٹل کے آگے گاڑی پارک کر چکا تھا۔

"حالانکہ اسلام کے کسی قانون نے اس طرح کے طرز عمل کو پسندیدہ قرار نہیں دیا اور نہ ہی اسلام عورتوں کے حقوق غضب کرنے اور انہیں قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا عورت کے اس طرح ستی ساوتری بن جانے سے اس کا کچھ بھلا ہوتا ہے۔ بھلا جس گھر میں اسے ٹھکرایا جائے، تحقیر و تنفر سے بارہا جتلایا جائے کہ اس کی حیثیت ایک بوجھ سے زیادہ نہیں ہے ایسے گھر میں قیام کرنے کے لیے اصرار بلکہ منت سماجت کرنا انسانیت کی تذلیل کے مترادف ہے۔ عورت عموماً" یہ جواز پیش کرتی ہے کہ وہ بچوں کی خاطر یہ ذلت سہنے پر مجبور ہوتی ہے۔ لیکن جس گھر میں بے انصافی اور ظلم و زیادتی کی ایسی تاریک فضا قائم ہو وہاں بھلا بچوں کی بہتر نشوونما اور تعلیم و تربیت کیسے عمل میں آسکتی ہے۔"

"آپ نے بہت مضبوط دلائل جمع کیے ہیں۔ لیکن یہ تو عرض کیجیے اماں جان کو کیسے مطمئن کریں گے؟۔"

وہ ایک پرسکون گوشے کا انتخاب کر کے بیٹھ گئے تھے پھر اسی تسلسل سے محو گفتگو تھے۔

"ان ہی کے الفاظ سے۔" شایان آرڈر دے کر مینیو ویٹر کے حوالے کرتے ہوئے پراسرار انداز میں مسکرایا۔

"وہ کیسے؟۔" نیا حیران نظر آئی۔

"بھئی ان کی ضد، ان کی خواہش کے احترام میں میں نے شادی کے لیے رضامندی دی تھی۔ لیکن ساتھ ہی ان سے یہ وعدہ بھی لے لیا تھا کہ اگر ایک سال تک حالات نہ بدلے تو میں اس جہنم میں اپنا آپ نہیں جھونکوں گا اور انہوں نے مجھے ایسا کرنے کی اجازت دے دی تھی۔"

"اوہ۔" بے ساختہ نیا کے منہ سے "اوہ" نکلا تھا۔

"قاعدے کی رو سے میں نافرمانی کا مرتکب نہیں ہوا نہ پہلے اور نہ اب۔"

"پتا نہیں کیا بات ہے مجھے اس صورتحال سے بہت خوف آرہا ہے اور میری دلی دعا ہے کہ وہ سب کچھ نہ ہو جو آپ نے سوچ رکھا ہے۔ کوئی معجزہ ہو جائے اور الفت بھائی کی فطرت میں لچک اور انسانی ہمدردی پیدا ہو جائے۔ گھر بڑی منتوں مرادوں کے بعد بستے ہیں۔ انہیں اس طرح ایک پل میں اجڑتے دیکھنا سوہان روح ہے۔" نیا کا شفاف و سادہ دل افسردہ ہو رہا تھا۔

"یہاں تو ہر شے پل دو پل کی مہمان ہے۔ خوشی، سکون، آبادی، بربادی، حتیٰ کہ خود انسان بھی۔"

شایان اداسی سے گویا ہوا وہ یہ سب کچھ خوشی سے نہیں کر رہا تھا۔ اس نے بہت کوشش کی تھی خود کو اور الفت کو بدلنے کی۔ مگر دونوں کی فطرت کڑی کمان کی طرح اپنی جگہ سختی سے تنی رہی تھی۔ آخر کار کسی ایک کو ٹوٹنا ہی تھا۔

"بہرحال اس سارے قصے کو نپٹانے کے بعد میں تمہارے پاس آؤں گا ایک سوال لے کر۔"

کھانا کھا کر نیا فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ شایان بھی بل ادا کر کے اس کے پیچھے چلتا ہوا ہوٹل سے باہر آگیا۔

"کیسا سوال؟۔" وہ گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے متعجب ہو کر پلٹی۔

"ابھی نہیں وقت آنے پر بتاؤں گا۔" وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر مختصراً گویا ہوا۔

"مگر ابھی کیوں نہیں؟۔" نیا کو بے چینی لاحق ہوئی۔

"ابھی صرف اتنا وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ میرے سوال کا جواب مثبت ہونا چاہیے۔ بولو وعدہ کرتی ہو؟۔"

وہ گاڑی ہاسٹل کی طرف جانے والی روڈ پر ڈال چکا تھا۔

"جانے بغیر وعدہ کیسے کر سکتی ہوں؟"۔ وہ تذبذب میں تھی۔

"تم جانتی ہو شاید اور اگر نہیں تو بھی کچھ عرصے بعد جان لوگی۔ ابھی صرف وعدہ درکار ہے مجھے تاکہ محاذ فتح کر کے تمہاری طرف پلٹوں تو ہاتھوں میں امید کے چراغ روشن ہوں۔" وہ کچھ کچھ سمجھ رہی تھی۔ اس

Scanned with CamScanner

کے اندر کچھ واہمے سے لہرانے لگے تھے۔ پتا نہیں وہ صحیح سمجھی تھی یا غلط بہرحال اس نے شایان پر کچھ بھی ظاہر نہیں ہونے دیا۔

"وعدہ نہیں کر سکتی۔ کوشش ضرور کروں گی۔" اس کا سر جھکا ہوا تھا اور آواز میں ہلکی سی لرزش نمایاں تھی۔

"وعدہ کیوں نہیں؟" وہ گردن موڑ کر اس کی سمت دیکھنے لگا۔ اسکا لہجہ دھیما اور گمبھیر تھا۔

نیا کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔

یہ آج کیسے محسوسات جاگ اٹھے تھے۔

پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔

"وعدے پرندوں کی پرواز کی طرح ہوتے ہیں جو ہوا کے کم یا زیادہ دباؤ کے باعث بلند یا نیچی ہوتی رہتی ہے اب میں کیسے جان سکتی ہوں کہ جب وعدہ ایفا کرنے کی رت آئے تو زمانے کی ہوا کیسی ہو۔"

وہ آہستگی سے جواب دے کر باہر دیکھنے لگی۔

"چلو دیکھتے ہیں خزانہ ملتا ہے یا خالی ہاتھ رہتے ہیں۔" شایان اسے ہوسٹل کے گیٹ پر ڈراپ کرتا ہوا بولا۔

"اگر خزانہ نصیب میں نہ ہو تو بھی یہ پچھتاوا تو نہیں ہو گا کہ خوامخواہ خزانے کی جگہ پتھروں کا بوجھ پیٹھ پر لاد رکھا ہے۔"

"آج آپ بہت مشکل باتیں کر رہے ہیں۔" وہ گاڑی سے اتر چکی تھی۔

"اس لیے کہ زندگی کے بڑے مشکل مرحلے سے گزر رہا ہوں۔" وہ مسکرایا "آسانیوں کے دور بھی آئیں گے انشاء اللہ بس تمہارا منتظر رہنا شرط ہے اللہ حافظ۔"

وہ گاڑی نکال لے گیا۔

. ☆ .. ☆ .*

بے انتہا دباؤ تھا۔ نصیحت تھیں، دھمکیاں تھیں، منتیں اور آہ و زاری تھی، خوشامدیں تھیں، واسطے تھے مگر وہ ان سب مرحلوں سے گزر کر کامیاب ہو گیا۔

"مجھے ہر صورت زبردستی اور جبر کا یہ ڈرامہ ختم کرنا ہے۔ خوامخواہ واویلا مچا کر الفت کی راہ کھوٹی نہ کریں۔ خاندان میں اس کی فطرت اور مزاج کے بہت سے لڑکے ابھی کنوارے ہیں۔ کوئی بھی اسے اپنا لے گا۔ بچے کا جھنجھٹ بھی نہیں ہے جو سوچنا پڑتا اور پھر اتنی مدت بھی نہیں گزری۔ محض ایک سال کا عرصہ ہوا ہے شادی کو اس کی کہیں نہ کہیں شادی ضرور ہو جائے گی۔ اس بندھن کے قائم رہنے سے ہم دونوں اعصابی طور پر تباہ ہو جائیں گے کہ اپنی فطرت پر جبر کرنا خودسوزی کے مترادف ہے۔ مچھلیاں کھلے پانیوں میں ہی حقیقی اور صحت مندانہ زندگی گزارتی ہیں۔ انہیں دو بوند پانی میں ڈال دیا جائے تو تڑپ تڑپ کر جان دے دیتی ہیں۔ انسان اپنی فطرت کے خلاف ایک قدم نہیں چل سکتا۔" اس نے بار بار اپنے موقف کا اعادہ کیا تھا۔

وہ الفت کو اس روز کے واقعے کے بعد اگلی صبح واپس اماں جی کے پاس چھوڑ گیا تھا۔ پھر ایک ہفتے بعد دو چھٹیاں لے کر آیا تو اپنا مدعا بیان کیا۔

مخالفت کا میدان کارزار گرم ہو گیا۔ تین چار ہفتے اسی کھینچا تانی میں لگ گئے پھر اپنے تمام حربے ناکام ہو جانے کے بعد اماں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا اور خاموشی اختیار کر لی۔ شایان نے اگلے دن الفت کو تحریری طلاق بھجوا دی۔

قصہ ختم۔

وہ اس واقعہ کے بعد دو ماہ تک قصبے میں نہیں پھٹکا۔

وہ چاہتا تھا اس واقعے کی گرد بیٹھ جائے تب واپس جائے وہ دو ماہ تک ساری دنیا سے مکمل طور پر کٹا رہا۔

اس دوران وہ خود کو جوڑتا رہا۔ پرانے والے شایان کو جھاڑ پونچھ کر صاف کر کے واپس لانے میں مصروف رہا۔

حتیٰ کہ ایک ہی شہر میں ہوتے ہوئے وہ نیا کے پاس بھی نہیں گیا۔ وہ چاہتا تھا پہلے اپنے ضمیر کی، اپنے دل اور دماغ کی عدالت میں سرخروئی پا لے۔

. ☆ .. ☆ .*

"السلام علیکم۔"

وہ اچانک ہی ہاسپٹل کے کوریڈور میں اس سے

Scanned with CamScanner

ٹکرایا تھا۔
"ارے آپ، شایان بھائی؟۔" نیا سنبھل کر بے ساختہ چیخی۔
"آپ کہاں سے آگئے؟۔" اتنے عرصے بعد دوبارہ اپنے سامنے دیکھ کر وہ حیران تھی۔
"بس آگئے۔" شایان نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔
"اور آئے ہیں تمہیں لینے یہ بتاؤ کب تک فارغ ہوگی؟۔"
"ابھی میں ڈیوٹی سے فارغ ہو کر ہاسٹل ہی جا رہی تھی۔"
"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ اسی طرح چلی آؤ میرے ساتھ۔" وہ گرمجوشی سے گویا ہوا۔ اس کے انگ انگ سے سرشاری پھوٹ رہی تھی۔ آنکھوں میں خمار کی چمک تھی۔ اور ہونٹوں پر مچلتی ہوئی دلفریب مسکراہٹ۔
"سوری شایان بھائی۔" نیا نے یکلخت سر جھکا لیا۔
"میں آپ کے ساتھ نہیں چل سکتی۔" اس کے چہرے پر تھکن تھی۔
"مگر کیوں؟۔" وہ اس کے انکار پر ششدر سا اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔
"بس یونہی۔" جانے کیوں وہ کترا رہی تھی۔
"نیا!" شایان نے بہت نرمی اور اپنائیت سے اسے پکارا۔
"کم آن یار کیا بات ہے۔ مجھ سے ناراض ہو کیا؟ اچھا تم چلو تو سہی میں تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔"
نیا کو مجبوراً اس کی بات ماننی پڑی۔
"ہوں بتاؤ کہاں چلیں؟۔" وہ گاڑی اسٹارٹ کر رہا تھا۔
"کہیں بھی نہیں، بس آپ جلد از جلد اپنی بات شروع کریں۔"
نیا کے لہجے کا حتمی پن شایان کو سنجیدگی اختیار کرنے پر مجبور کر گیا۔ اس نے وہیں چابی سیلف میں گھما کر گاڑی کا انجن بند کر دیا۔
"مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے یا تو تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں رہا یا تم مجھ سے کسی وجہ سے کترا رہی ہو، ٹھیک ہے ہم یہیں بات کر لیتے ہیں۔ تمہیں مطمئن کیے بغیر میں تمہیں کہیں نہیں لے جاؤں گا۔"
وہ بغور نیا کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ آج اس کے چہرے پر وہ تازگی اور شانتی نہیں تھی جو اس کے وجود کا خاصا تھی۔ جانے کیا بات تھی شایان کو وہ پرانی والی نیا نہیں لگ رہی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کی شخصیت کا اہم ترین جزو کہیں گم گیا ہے۔
"میں آج تم سے کچھ مانگنے آیا ہوں نیا! جس کا میں نے تم سے وعدہ کیا تھا۔" وہ اس کی پلکوں پر نظر جما کر رسانیت سے مخاطب ہوا۔
"مجھے زندگی کا سفر طے کرنے کے لیے تمہارا ہمیشہ کا ساتھ چاہیے۔ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"
شایان نے اپنے خیال میں دھماکا کیا تھا مگر اس دھماکے کے اثرات اسے نیا کے چہرے پر دکھائی نہیں دیے۔
وہ خلاف توقع چپ بیٹھی ہونٹ کاٹتی رہی۔
حیرت، ہیجان، خوشی، نفرت کسی بھی جذبے کا عکس اس کے چہرے پر نہیں آیا تھا۔ ہاں آنکھوں میں موجزن ملال کی پرچھائیں مزید گہری ہو گئی تھی۔
"میں نے کہا تھا ناں شایان بھائی کہ زمانے کی ہوا بدل جائے تو وعدے کی پرواز میں بھی فرق آجاتا ہے۔" اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔
"کیا مطلب؟۔" وہ ہکا بکا اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔
"مطلب یہ کہ آپ نے خود ہی تو اعتراف کیا تھا کہ جس معاشرے کا مرد اتنا مجبور ہو وہاں عورت کو ایسے معاملات میں اختیار ملنے میں تو صدیاں لگیں گی۔ آپ نے سچ کہا تھا اور یہی آپ کے سوال کا جواب بھی ہے۔" وہ افسردگی سے مسکرائی۔
"تو کیا تمہاری بات کہیں اور طے ہو گئی ہے؟۔"
شایان کے اعصاب مفلوج ہونے لگے۔ "خالہ نے تم سے رائے نہیں لی؟۔"
"لی تھی مگر فیصلہ کر لینے کے بعد۔ میں کیا کہتی۔ فیصلہ تو وہ کر ہی چکی تھیں۔ مجھ سے رسمی رضامندی کی انہیں ضرورت نہیں تھی پھر بھی احسان مند ہوں کہ

انہوں نے اتنا بھی کرلیا۔"

"کون ہیں وہ موصوف؟" شایان نے اڑے اڑے حواس مجتمع کرنے کی سعی کی۔

"ایک رشتے کی خالہ کا بیٹا توفیق۔ امی نے رشتے کے حق میں یہ دلیل دی تھی کہ خالہ زبان کی تیز ہیں' مگر لڑکا بہت اچھا ہے اس کا مستقبل روشن ہے' ترقی کے بہت مواقع ہیں اس کی جاب میں' دوسرے وہ فطرتاً" بھی نرم خو ہے۔ چھوٹی سی بات کے لیے اتنے اچھے رشتے کو ٹھکرانا کفران نعمت ہے۔"

"کیا تم خوش ہو؟ ادھر دیکھو میری طرف۔" معاً" شایان نے اسے پکارا وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی سمت دیکھنے لگی۔ اس نے اپنے تاثرات پر قابو پانے کی بہت کوشش کی تھی مگر دو آنسو جانے کس طرح لڑھک کر اس کے گال پر لکیر سی بناتے چلے گئے اور پھر اس نے اپنی کمزوری چھپانے کے لیے فوراً" کھڑکی کی طرف رخ موڑ لیا۔

"تمہارے آنسو ہمیشہ مجھے دکھ دیتے ہیں مگر آج پہلی مرتبہ انہیں تمہاری آنکھ سے چھلکتا دیکھ کر مجھے دکھ کے ساتھ ساتھ اک انجانی سی خوشی بھی ہو رہی ہے۔ یہ آنسو تعلق خاطر کی علامت ہیں۔ ان میں مجھ سے دوری کا ملال گھلا ہوا ہے۔ بہت شکریہ۔ اب میں خالی ہاتھ ہوتے ہوئے بھی تا عمر پرسکون اور شانت رہوں گا۔ قبولیت کا احساس ہی کافی ہے۔ بھلے سے اس کے عملی مراحل طے نہ ہوں۔ یہاں سے قسمت کا چکر شروع ہو جاتا ہے۔ بہرحال خدا کرے کہ تمہاری اور توفیق کی فطرت میں تضاد نہ ہو۔ ہمیں امید تو رکھنی چاہیے۔ پھر تمہارے ساتھ میرے والا معاملہ نہیں ہے۔ انشاء اللہ بہترین زندگی گزرے گی۔ تم فکر نہیں کرو۔"

وہ خلوص دل سے اس کی دلجوئی کر رہا تھا۔

"اور آپ؟" نیا کا دل دکھ کی بارش سے بھر گیا۔

"ہم بھی کسی طور جی لیں گے۔" وہ کھوکھلے انداز میں ہنسا۔

"دل سنبھل جانے کے بعد اپنے جیسی کوئی لڑکی ڈھونڈ کر گھر بسالوں گا۔" وہ ساری پلاننگ اسے مطمئن کرنے کے لیے تفصیلاً" بتا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا نیا اس کے لیے بے چین رہے گی۔ اس کے گھر کے لیے فکر مند رہے گی۔ اس لیے بظاہر لاپرواسے انداز میں منصوبے بنا رہا تھا۔

"آپ مجھ سے وعدہ کریں۔" نیا نے ضدی انداز میں کہا۔

"نن نا بھئی پہلے بھی اسی قسم کی جذباتی بلیک میلنگ بھگت چکے ہیں۔" اس نے فوراً" ہاتھ جوڑ دیے "اسکا بڑا دردناک انجام ہوا ہے۔ اس لیے اب کے پوری سوچ بچار کے بعد مہو چلائیں گے۔ اچھا اب مجھے اجازت دو ایک بہت ضروری کام یاد آگیا ہے۔"

وہ اچانک ہی سیدھا ہو گیا اور اسٹیرنگ وہیل سنبھال لیا۔ نیا گاڑی سے اتر گئی۔

"خدا حافظ۔" اس کا لہجہ آزردگی سے بھیگ گیا تھا۔ یہ تو اتنی مدت بعد الفت کے اس روز کے ناروا سلوک کے بعد اس پر کھلا تھا کہ وہ تو جنم جنم سے ایسے ہم سفر کی تلاش میں رہی ہے اور شایان کی شخصیت اک طلسم کی طرح نجانے کب سے اس کے ذہن و دل پر چھائی ہوئی ہے۔

"خدا حافظ۔" شایان نے آخری مرتبہ اس کے چہرے کا عکس اپنی آنکھوں کے آئینے میں سمیٹا اور آہستگی سے گاڑی آگے بڑھا دی۔

نیا بے خیالی میں اپنی جگہ پر کھڑی کتنی ہی دیر ہاتھ ہلاتی رہی تھی۔ گاڑی کی تو دھول بھی باقی نہیں رہی تھی۔

اور شایان اس سمے شدت سے اعتراف کر رہا تھا کہ وہ زندگی کی سب سے بڑی بازی ہار کے جا رہا ہے۔ خوشی' سکون اور محبت اس کے لیے تو ہر چیز دو پل کی مہمان ثابت ہوئی تھی۔

ٹھیک ہے زندگی میں کبھی نہ کبھی اسے اپنی جیسی مہربان اور بلند خیال ہمدرد عورت مل جائے گی۔ وہ اس سے شادی بھی کرلے گا۔ گھر بھی بس جائے گا مگر دل کا مکاں اسی طرح خالی پڑا رہے گا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

اگر والدین اپنی نام نہاد انا اور ضد و زبردستی سے کام لے کر اپنے بچوں کی زندگیاں جہنم نہ بنائیں تو کتنے بہت سارے دل ٹوٹنے سے بچ سکتے ہیں۔

@

Scanned with CamScanner